کرم ہی کرم
خطیب العصر حافظ خان محمد قادری

نام کتاب- کرم ہی کرم

تصنیف- علامہ حافظ خان محمد قادری

ضخامت- 100 صفحات

سن اشاعت- 1999ء

مطبع- اوریلیا پرنٹنگ پریس لاہور

ہدیہ- 40روپے

ناشر- گنبد خضرا پبلی کیشنز دربار مارکیٹ لاہور

فون: 7324948 پی پی

اعلان

کرم ہی کرم دوسرا حصہ زیر تالیف ہے جس میں حضرت ضیاء الامت کی تعلیمات و نظریات بیان کیے گئے ہیں- ان شاء اللہ عنقریب شائع ہو جائے گی-

آئینہ

باب کرم تک رسائی

صدر ضیاء الحق مرحوم کا مارشل لاء میرے لئے تو رحمت ثابت ہوا ان دنوں میں بہاولپور شہر کی ایک دینی درس گاہ میں زیر تعلیم تھا۔ میرے اندر کچھ کر گزرنے کا جذبہ تھا۔ بہاول پور میں اہلسنت والجماعت انتشار کا شکار تھی علماء کرام "ہمچو ما دیگرے نیست" کی پالیسی کی وجہ سے حضوری کی بجائے ایک دوسرے سے دوری کی منزل کی طرف رواں دواں تھے میں نے سنی نوجوانوں کو متحد کرنے کے لئے "انجمن نوجوانان اہلسنت" کی داغ بیل ڈالی اور اس تنظیم کے ذریعے اپنے مشن میں حوصلہ افزا حد تک کامیابی حاصل کر لی بد قسمتی سے مسلک اہلحدیث اور دیوبندی حضرات شہر میں تشدد کی پالیسی اپنائے ہوئے تھے ہماری رواداری کی تمام کوششیں جب رائیگاں چلی گئیں تو۔

مجبور ہوگئے اس ستمگر سے
جواب آخر دینا پڑا پتھر کا پتھر سے

میں نے ابتدائے تعلیم میں ہی مخالفین سے کئی مناظرے کر ڈالے اسی دوران انجمن طلبہ اسلام سے رابطہ ہوا جو اس وقت ہر لحاظ سے کمزور تنظیم تھی ہم نے شب و روز اس کے لئے بھی کام کیا اور ہم دفاعی پوزیشن میں خاصے مضبوط ہو گئے اور سیدی مرشدی یا نبی یا نبی کے نعروں کی پاداش میں ظلم سہنے کا حوصلہ بھی پیدا ہو گیا۔

بقول سید نصیر

ہاں ان کی طلب میں جب بھی ملے جو کچھ بھی ملے سر آنکھوں پر
درد، مصیبت، غم، صدمہ ہر چیز گوارا کرتے ہیں

مجھے انجمن طلبہ اسلام بہاول پور کا ناظم بنا دیا گیا اس سچ کو کون جھٹلا سکتا ہے کہ " علمی زندگی کی جمعیتیں اور سیاسی زندگی کی شورشیں یکجا جمع نہیں ہو سکتیں کیونکہ پنبئہ و آتش میں آشتی محال ہے"۔ مگر میں تو اقبالی تھا کہ

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

مگر یہ تجربہ زیادہ کامیاب نہ ہو سکا۔ شورشیں بڑھتی گئیں اور علمی زندگی کی شمع کی لو مدہم پڑنے لگی خوش قسمتی سے میری ملاقات ایک دینی ذوق رکھنے والے فوجی آفیسر کرنل صفدر جاوید صاحب سے ہو گئی انہوں نے ایک طرف میری مصروفیات اور دوسری طرف میرے ذوق کو دیکھا تو عصری تعلیم کے حصول کا مشورہ دیا۔

اور ساتھ ہی جدید و قدیم علوم کے یکجا حصول کے لئے دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف ضلع سرگودھا کی طرف راہنمائی کی۔

میں انہیں کی ترغیب سے میٹرک کر کے انٹر کالج بہاول پور میں داخل ہو گیا کالج میں جا کر جناب علامہ اکبر الہ آبادی کے اس شعر کی معنویت کا پتہ چلا۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ہمارے کالجز کی فضاء اکثر بارود کے دھوئیں سے اٹی رہتی اور گولیوں کی گونج سے انسانی آواز دبی رہتی اور ستم بالائے ستم یہ کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول کی غلامی کی بجائے یہاں کئی سیاسی اور مذہبی لیڈروں کے بت بج رہے تھے میں نے انجمن طلبہ اسلام کا انتخاب اسی لئے کیا تھا کہ یہ کسی شخصیت کی بجائے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کا دم بھرنے والے طلبہ کی تنظیم تھی الحمد للہ اسی رشتہ کی بنیاد پر آج بھی ATI سے تعلق باقی ہے۔

سونے پر سہاگہ

کالج کی فضا کو دیکھ کر مجھ پر مایوسی کے سائے چھا گئے دینی درس گاہ میں کالج کی تعلیم نہیں تھی اور کالج میں کچھ بھی نہیں تھا اسی دوران صاحبزادہ نور المصطفی صاحب رضوی (جو اس وقت انجمن طلبہ اسلام کے مرکزی صدر تھے) سے ملاقات ہو گئی انہوں

نے بھی بھیرہ جانے کا مشورہ دے دیا اب جذبات کی چنگاری شعلہ بن چکی تھی اور میں نے سب کچھ سمیٹ کر بھیرہ جانے کا عزم بالجزم کر لیا۔

میرے بھیرہ جانے کی خبر میرے خواص و عام اصحاب کے لئے پریشان کن تھی چونکہ میں مقامی معاشرے میں خاصی حد تک اپنا نام و مقام بنا چکا تھا اس لئے علماء سے لے کر عوام تک خیر خواہوں نے فرض نصیحت تو ادا کیا مگر

یوں نصیحت کرنے کو تو بہت غم گسار آئے
کوئی ان کو نہ لایا کہ جن کے آنے سے قرار آئے۔

مجھ پر شوق نہیں بلکہ عشق سوار تھا اور مریض عشق پر نہ دعا اثر کرتی ہے نہ دوا اثر دکھاتی ہے۔

مریض عشق پر رحمت خدا کی
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

میں کالج و مدرسہ کی تعلیم کے دوران ہی لیاقت پور کی مرکزی جامع مسجد کی مسند خطابت پر براجمان ہو چکا تھا۔

بدگمانیوں کا سفر

جب میرے جنون عشق پر کوئی دم اور منتر کارگر نہ ہوا تو میرے بہی خواہوں نے نصیحت کا دوسرا رخ اختیار کر لیا۔

میں بھی لیلیٰ کے دیوانے کی طرح جس محفل میں جاتا دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ کی بات چھیڑ دیتا رد عمل کے طور پر پھولوں کے بجائے الفاظ کے انگارے سننے کو ملتے یعنی

یہ مرحلے بھی محبت کے باب میں آئے
خلوص چاہا تو پتھر جواب میں آئے

اب تک مجھے معلوم نہ تھا کہ حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب دامت برکاتھم کچھ علمائے اہلسنت کی طرف سے بدگمانیوں کے طوفانوں میں گھرے ہوئے ہیں وہ سینے جنہیں ہم سمندر سے گہرا سمجھتے تھے اور حوصلے اور رواداری کا کوہ گراں تصور کئے ہوئے تھے

پیر صاحب کے ذکر پر ریزہ ریزہ اور گھٹ کر رہ جاتے۔

ناصحا! مجھ کو نہ سمجھا دل میرا گھبرائے ہے

علماء کی ایک محفل میں دارالعلوم بھیرہ کا ذکر چھڑا تو ایک عالم دین یوں لب کشا ہوئے۔

"کہ پیر کرم شاہ کے مدرسے میں ایک بھی سنی عالم استاد نہیں ہے"

دوسرے بزرگ بولے

وہاں تو مسجد بھی نہیں ہے (یعنی نماز کا بندوبست بھی نہیں ہے)

تیسرے صاحبِ منبر و محراب گویا ہوئے وہ صلح کلیوں کا ادارہ ہے۔

ایک اور صاحب نے آواز میں آواز ملائی کہ وہ تو بے دین ادارہ ہے۔ وہاں ہر وقت وی سی آر چلتا ہے۔

یہ مقالات حکمت سن کر ہمارے طوطے اڑے جا رہے تھے ابھی میں سنبھلنے نہیں پایا تھا ایک بارعب آواز گونجی کہ بھائی۔

"سنا ہے کہ پیر کرم شاہ کی داڑھی بھی نہیں ہے"

ایک صاحب نے گرہ لگائی کہ ظلم کی حد ہے کہ جدید و قدیم علوم کا ٹھیکیدار بنا ہوا ہے اور سنت رسول کی اہمیت سے بے خبر ہے۔ اور بزرگ عالم نے بحث سمیٹتے ہوئے فرمایا میاں کس کا ذکر لئے بیٹھے ہو

"وہ سنیوں میں نہ شیعوں میں"

طوطی کی کون سنتا ہے نقار خانے میں

اس وقت تک میں نے نہ بھیرہ دیکھا تھا نہ ہی قبلہ پیر صاحب کی زیارت کی تھی اتنے بڑے جید علماء کو جھٹلانے کی جرات بھی نہ کر سکا اور دل نے ان کی باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ایک محتاط بزرگ عالم دین نے میرے ارادے کی پختگی دیکھ کر تھکے ہوئے انداز میں فرمایا کہ

تم بھیرے جا رہے ہو اگر وہابی نہ بنے تو پکے سنی بھی نہ رہو گے۔

ان تمام ملاقاتوں اور باتوں کا مجھ پر اتنا اثر ضرور پڑا کہ میں نے اس سفر کو مشاہداتی و مطالعاتی سفر بنا ڈالا۔

مولانا پروفیسر محمد طاہر القادری صاحب سے ملاقات

میں بھیرہ جانے کی بجائے لاہور آ گیا۔ سیدھا "اتفاق اکیڈمی" پہنچا اس وقت قادری صاحب کے اخلاص و للّٰہیت پرہیزگاری و سادگی کے افسانے مشہور تھے۔

پروٹوکول

قادری صاحب سے براہ راست ملنا سخت دشوار تھا ان کے پرسنل سیکرٹری (حاجی ظہور احمد صاحب) سے ملا انہوں نے بعد از بسیار منت و سماجت ملاقات کا وقت لے کر دیا میں سراپا ادب و احترام بن کر قادری صاحب کے محفوظ خلوت کدہ میں حاضر ہوا انہوں نے کمال بے نیازی سے دست مبارک میری جانب بڑھا دیئے میں نے مرید صادق کی طرح لپک کر دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔

مجھ سے قبل قادری صاحب کے کمرے میں ایک سوٹڈ بوٹڈ صاحب قادری صاحب سے محو گفتگو تھے قادری صاحب ان سے فرما رہے تھے۔

" زمین ڈارک بلیک ہونی چاہئے تاکہ میرا نام واضح ہو" ان الفاظ سے میں سمجھ گیا کہ وہ صاحب کوئی اخباری رپورٹر تھے۔ ویسے تو اخبارات میں اپنے نام کی سرخیاں ہر شخص کو بھاتی ہیں مگر مجھے قادری صاحب کے منہ سے یہ جملے کچھ عجیب سے لگے کیونکہ میں انہیں درویش منش آدمی اور خدا رسیدہ بزرگ سمجھ کر ملنے گیا ہوا تھا مگر ان کے شہرت طلب جذبہ نے میری عقیدت کے نازک آبگینے کو چور چور کر دیا۔

چند منٹ کے بعد انہوں نے چائے والے تین کپ میز پر سجا دیئے اور دو قسم کے بسکٹ میز پر رکھے دو عدد تھرماس بھی میز پر رکھے اور بسکٹ کی ایک قسم ہمارے سامنے رکھ دی اسی طرح ایک تھرماس سے ہم دونوں مہمانوں کو چائے عنایت فرمائی اور ایک سے اپنے کام و دہن کو شاد کام فرمایا ساتھ ہی ارشاد ہوا کہ میں اکیڈمی کی کوئی چیز استعمال نہیں کرتا یہ چائے اور بسکٹ جو آپ کو دیئے ہیں اکیڈمی کی طرف سے ہیں اور جو میں نوش کر رہا ہوں میرے گھر سے آئے ہیں۔

قادری صاحب کا یہ عمل بہت حسین سہی مگر ہم سے اس کا اظہار، تکلف اور تصنع کی غمازی کر رہا تھا۔ ان کے اس اظہار سے میرے دماغ پر ایک چوٹ سی لگی کہ

"یہ شخص اپنے حسن عمل پر اللہ تعالیٰ کی بجائے بندوں سے اجر کا طلب گار ہے"
ایسے میں مجھے اقبال بہت یاد آیا۔

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
سلطانی بھی عیاری ہے درویشی بھی عیاری

قدیم علماء سے ملنے اور کئی مدارس کی خاک چھاننے کے بعد ایک جدید علوم کے

عالم اور پروفیسر سے ملا مگر یہاں بھی آس یاس میں بدل گئی۔

ایک عقیدت مند دل لے کر اس وادی مین اترا تھا مگر یہاں ایک طرف حسد و کینہ کی خطرناک آتش جہنم بھڑک رہی تھی اور دوسری طرف شہرت و جاہ طلبی اور جلب زر کی نہ ختم ہونے والی خواہش انگڑائیاں لے رہی تھی یہی وہ منزل تھی جہاں میری عقیدت و محبت کا پندار ٹوٹ گیا اور میرے خلوص کی دنیا لٹ گئی۔

لٹ جانے کا نہیں اس بات کا غم ہے
جہاں کشتی میری ڈوبی وہاں پانی بہت کم ہے

علم والوں کی ان روشن بستیوں کو دیکھ کر مجھے دیہاتی اجڈ ان پڑھ اور جاہل مگر پر خلوص، سادہ دل اور خدا سے ڈرنے والے بدو اور ان بستیوں کے خوبصورت اندھیرے بہت یاد آئے _کیونکہ ان اندھیروں میں خدا اور رسول ﷺ کے نام کے سوداگر نہیں بستے اور دین کے نام پر دجل و فریب کا کاروبار نہیں ہوتا۔ یہاں ذاتی دشمنیاں ہوتی ہیں مگر حسد و بغض کی بھٹیاں نہیں جلتی۔

یہاں تصنع اور تکلف کی بجائے سجدے تھوڑے مگر پر خلوص ہوتے ہیں۔

اب میں دوراہے پر کھڑا سوچتا رہا کہ یا تو اپنے دیہات میں لوٹ جاؤں اور زمین کی چھاتی پھاڑ کر گندم اگاؤں بکریاں بھینسیں چراؤں اور حلال رزق سے زندگی کے دن پورے کروں یا دل پر پتھر رکھ کر

بھیرہ اور اس شخصیت سے ملاقات کر آؤں

اندھیرا، سویرا، اور بھیرہ۔

لاہور سے مایوسیاں سمیٹ کر براستہ سرگودھا بھیرہ پہنچا تانگے والوں سے محمدیہ غوثیہ کا پتہ پوچھا تو انہوں نے علاقائی پنجابی میں جواب دیا۔

تساں پیر صاحب ہوراں دی یونیورسٹی وینڑاں

ترجمہ:۔ آپ نے پیر صاحب کی یونیورسٹی میں جانا ہے۔ میں نے "ہاں" میں سرہلایا اور تانگے پہ بیٹھ گیا۔

بھیرہ شہر کی بعض پرانی عمارات کو دیکھ کر ایسا لگا جیسے میں صدیوں پرانی آبادی میں آگیا ہوں۔ گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز کے ساتھ میرے دل کی دھڑکن بھی تیز ہوتی گئی ایک طرف قبلہ پیر صاحب کو دیکھنے کا شوق تیز تر ہو رہا تھا تو سطح دماغ پر بدگمانیوں کے سائے بھی ساتھ ساتھ تھے۔

تانگے والے نے ایک آہنی گیٹ کے سامنے تانگہ روک کر دارالعلوم کی نشاندہی فرمائی۔

متلاشی نگاہیں

میں تانگے سے اتر کر گیٹ کے اندر داخل ہو گیا راستہ دیکھنے کی بجائے طلبہ کے چہرے پڑھنے لگا۔ اٹھی ہوئی نگاہ دارالعلوم کی پرشکوہ عمارت پر پڑی اور ساتھ ہی کلاسوں میں آتے جاتے طلبہ نظر آئے طلبہ کی چہل پہل سے دارالعلوم میں ہر طرف زندگی دوڑتی نظر آئی۔

میں صاحبزادہ نورالمصطفےٰ رضوی صاحب کی وساطت سے جناب استاد پروفیسر حافظ احمد بخش صاحب کے نام سے واقف تھا چند طالب علموں نے مجھے ان تک رسائی میں مدد فرمائی میں نے سفر کا مدعا بیان کیا غالباً" انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ مگر میری متجسس نگاہیں وی سی آر یا ٹی وی ہال تلاش کر رہی تھیں۔ اور ساتھ ہی آزادہ روی کے ماحول کو ڈھونڈ رہی تھیں پروفیسر صاحب قبلہ نے صادق آباد کے دو ساتھیوں مولنا مشتاق احمد اور توقیر صاحب سے ملا دیا۔

وہ مجھے اپنے کمرے میں لے گئے میں نے علاقائی بے تکلفی سے ان سے یکبارگی سارے سوال کر ڈالے کہ سنا ہے یہاں جملہ اساتذہ وہابی ہیں (2) مسجد کوئی نہیں (3) بے راہ روی عام ہے (4) طلبہ شتر بے مہار ہیں (5) یہاں اخلاقی اقدار کا جنازہ نکال دیا گیا ہے۔ ٹی وی وی سی آر دارالعلوم میں عام چلتا ہے گویا بے دینی کا دور دورہ ہے۔ تمام دوست سراپا حیرت میرے سوالات سنتے اور میرا منہ دیکھتے رہے۔

خاطر مدارات کے بعد ہم جونہی دارالعلوم کے وسیع لان میں آئے مغرب کی سمت نگاہیں اٹھیں تو ایک شاندار گنبد سے ٹکرا گئیں اور اس گنبد کے جلو میں چھوٹے چھوٹے کئی گنبد دکھائی دیئے میرے پوچھنے پر دوستوں نے کہا لیجئے آپ کے ایک سوال کا جواب آگیا یہ اونچا گنبد پیر صاحب کے دادا حضرت امیر السالکین پیر محمد امیر شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور والد گرامی حضرت پیر محمد شاہ صاحب غازی علیہ الرحمہ کے مزار کا ہے۔ اور یہ مینار مسجد شریف کے ہیں جس میں قبلہ پیر صاحب' اساتذہ اور طلبہ نہ صرف نماز پڑھتے ہیں بلکہ یہاں ہی باقاعدہ ایک کلاس بھی لگتی ہے۔ ترمذی شریف اور ہدایہ شریف کی کلاس اسی مسجد شریف میں ہوتی ہے اس وقت یہ اسباق استاد محترم قاضی محمد ایوب صاحب موجودہ شیخ الحدیث صاحب پڑھاتے تھے۔ مسجد کی زیارت اور مزار شریف پر حاضری کے بعد بدگمانیوں کی واپسی کا سفر شروع ہو چکا تھا۔

اساتذہ سے ملاقات کی الحمد للہ ہر استاد اخلاق کا مرقع پایا مولانا محمد فاضل مرحوم جیسے پکے بریلوی رضوی مولانا معراج الاسلام صاحب جیسے بلند پایہ فاضل اور محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے فیض یافتہ اساتذہ کو پیر صاحب کے دارالعلوم میں علوم کے موتی بانٹتے پایا۔ خود قبلہ ضیاء الامت کے فیض یافتہ مراد اور مرید استاد محترم مولانا محمد خان نوری کو ہر نماز کے وقت طلبہ کو نماز کے لئے بیدار کرتے ہوئے پایا۔ استاد محترم مولانا ملک عطا محمد صاحب جو کہ عربی لغت کے کامل فاضل ہیں کو تدریس کے علاوہ دارالعلوم کی تعمیر و ترقی میں ہمہ تن مشغول پایا اور استاد پروفیسر حافظ احمد بخش صاحب جدید و قدیم علوم کے فاضل سراپا مہر و محبت استاد میاں افتخار صاحب باغ و بہار شخصیت استاد ملک عبدالرزاق صاحب صاحب فکر و نظر استاد ملک محمد بوستان

صاحب اور جناب علامہ عبدالرشید ارشد صاحب اور علامہ محمد انور حبیب صاحب جیسے فضلاء کو ایک عام مرید و ورکر کی طرح دین کی ترقی اور دارالعلوم کی بے لوث خدمت میں مستعد پاکر میرے چشم تصور میں اسلاف کی درگاہوں کا نقشہ گھوم گیا۔

واہ کیا بات ہے ساقی تیرے میخانے کی

میں نے ظہر کی نماز دارالعلوم کی مسجد یعنی مسجد پیر امیر شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ میں ادا کی۔

اب بدگمانیوں کے سیاہ اور دبیز پردوں کے اٹھ جانے کے بعد گویا آنکھیں دل میں اور دل آنکھوں میں آگیا تھا۔ آنکھوں کی بے تابیاں اور دل کی بے قراریاں دیدنی تھیں دوستوں نے نماز عصر کے بعد قبلہ پیر صاحب سے ملاقات کرانے کا وعدہ کیا مگر میرے لئے ظہر اور عصر کا درمیانہ وقفہ روز محشر بنتا جا رہا تھا۔

کیا انتظار یار کی حالت بیاں کروں
رہتی ہے جان آنکھوں کے اندر تمام رات

اب میرا ایک ہی مقصد تھا کہ جتنا جلدی ہو سکے میں مہر و محبت کے اس مہر درخشاں، عزم و ہمت کے کوہ گراں گلشن محمدی کے پاسبان، باعث تسکین جان شمس و قمر و سلیماں، بدگمانیوں میں گھرے ہوئے گلشن بداماں لعل بدخشاں، شریعت کاملہ کے عامل، اور طریقت میں کامل فرد سے شرف ملاقات حاصل کروں تاکہ دل کی بے تابیوں کو قرار آئے۔

وہ تیری پہلی نظر کا چرکا

خدا خدا کر کے نماز عصر کی اذان کا وقت آیا تو دل و دماغ کو طرح طرح کے خیالات نے گھیر لیا کبھی خیال آتا کہ نہیں معلوم کہ پیر صاحب خشک مولویوں والا رویہ رکھتے ہیں یا تندرو اور بدخلق پیروں والا جس رویے کو مرید سادہ جلالی رویہ کہتے ہیں۔

بقول اقبال

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے نمناک
نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ

یا بقول خواجہ غلام فرید چشتی علیہ الرحمۃ

عشق دی بات نہ سمجھن اصلوں
اے ملوانڑیں رکھڑے
(خواجہ فرید)

خیالات کی اسی تڑ بھیڑ اور لے دے میں نماز عصر کا وقت سر پر آن پہنچا مولانا مشتاق احمد مجھے لے کر ایک انجانی منزل کی طرف رواں دواں ہو گئے چند ہی لمحات کے بعد ایک مسجد کے دروازے پر پہنچا دیا اور مسجد کے سامنے ایک درمیانی وضع کی عمارت تھی جو نہ کسی امیر کا محل لگتا تھا نہ کسی پیر طریقت کا آستانہ اس عمارت کی چھوٹی سی

بالکونی یا برآمدہ تھا جس کے نیچے بمشکل دس بارہ آدمی کھڑے ہو سکتے تھے وہ بھی کہیں کہیں سے خستہ حال اور رنگ و روغن کا تو نام و نشان نہ تھا۔ اور اس کے دو اطراف میں۔ لوگوں نے (آگ سلگانے کے لئے) گوبر کے اپلے چپکائے ہوئے تھے۔

میرے دوست نے اس عمارت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ قادری صاحب یہ لنگر شریف ہے(یاد رہے کہ دارالعلوم کے تمام طلبہ اور اساتذہ پیر صاحب کے گھر کو لنگر شریف کہتے ہیں چونکہ مہمانوں اور مسافروں کا کھانا دارالعلوم کی بجائے پیر صاحب کے گھر سے آتا ہے) یہ سن کر میں ہکا بکا رہ گیا۔

کہ دینی اداروں کی فلک بوس عمارات بنوانے والا عظیم انسان اس کٹیا میں رہتا ہے۔

یہ سوچ کر آپ کی سادگی و عظمت میرے گناہ گار دل پر نقش ہو گئی۔

اب ہم مسجد میں داخل ہو چکے تھے مشتاق صاحب نے کہا کہ یہ مسجد شریف نصیب دریائی ہے کچھ طلبہ یہاں نماز پڑھتے ہیں

گویا یہ دونوں مساجد دارالعلوم محمدیہ غوثیہ اور قبلہ حضرت صاحب کے دم قدم سے آباد ہیں (اب تو القمر ہاسٹل میں دارالعلوم کے طلبہ کے لئے ایک عظیم الشان تیسری مسجد بھی تعمیر کی جا چکی ہے)۔

آہ وہ زندگی کی ساعت جو تیری بارگاہ میں گزری

نماز عصر ہو چکی تو بہت سارے طلبہ اور کچھ اساتذہ حضرت صاحب کی تیمار داری کے لئے لنگر شریف کے دروازے پر جمع ہو گئے۔

(ان دنوں حضرت قبلہ پیر صاحب للیانی تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا ایک حادثہ میں زخمی ہو گئے تھے۔ یہ 1983ء کا واقعہ ہے)

میں بھی دوستوں کے ہمراہ اس ہجوم عاشقاں میں شامل ہو گیا ہم سب لوگ ایک کمرے میں داخل ہوئے اور دست بوسی کا شرف حاصل کیا جب میں نے ہاتھ ملایا تو آپ نے مجھ غریب الدیار اجنبی کا ہاتھ تھام لیا ساتھ ہی دوستوں نے میرا تعارف کرا دیا کہ یہ صاحب رحیم یار خان سے آئے ہیں اور داخلہ کے متمنی ہیں آپ نے بھرپور توجہ سے میری طرف دیکھا اور چارپائی پر بیٹھنے کا حکم فرمایا میں بیٹھ گیا۔

فرداً" فرداً" ہر ایک سے حال احوال دریافت فرمایا بار دگر میری جانب متوجہ ہوئے اور ہلکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھر گئی فرمایا "خیریت ہے" کیسے تشریف آوری ہوئی میں نے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں مدعا بیان کر دیا پھر گویا ہوئے بھئی مولانا کو کھانا کھلایا ہے۔ (وغیرہ وغیرہ) (داستان محبت کیا کہئے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے) چاند سے مکھڑے پر حسین داڑھی بادامی ہونٹوں پر ہمہ وقت ہلکا سا تبسم تصنع اور بناوٹ سے پاک وہ تھکا تھکا لہجہ بار حیا سے جھکی جھکی سی پلکیں اور ذکر حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بھیگے بھیگے بڑی بڑی آنکھوں کے گلابی ڈورے شفقت و محبت و مروت سے لبریز وہ پہلی ملاقات تا دم زیست یاد رہے گی۔

جب ان سے پہلی ملاقات ہوئی تھی
اس دن قیامت کی شروعات ہوئی تھی

میں اگرچہ وڈیرہ صفت تند رو بد خو اور اخلاق محمدی سے عاری نام نہاد مشائخ سے باغی ہو چکا تھا اور رقابت و حسد کی خطرناک آگ میں جلنے والے تکبر و غرور کی بھٹی میں سلگنے والے محبت و مروت سے بیگانہ علماء سے بد دل ہو چکا تھا۔

تصوف و تقشف کے داعی بڑے بڑے نامی گرامی سکالرز اور پروفیسرز کو دین کی چلمن کے پیچھے بیٹھ کر جلب زر کے مکروہ دھندہ میں مصروف پایا۔

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے۔
دلق اویس گلیم بوذر چادر زہرا

داخلہ ہو گیا

حضرت صاحب کا اشارہ ہوا اور ہم پاس ہو گئے بے لیاقتی کے باوجود مجھے چوتھے سال یعنی عالم عربی کی کلاس میں داخلہ مل گیا۔ اور میں باقاعدہ دارالعلوم محمدہ غوثیہ بھیرہ کا طالب علم بن گیا۔

گویا میرے خوابوں کی مجھے تعبیر مل گئی۔

دارالعلوم میں رہ کر تعلیم و تعلم کا سلسلہ جیسا کیسا چلتا رہا مگر حضرت صاحب کے وجود مسعود سے میرے جیسے ہزاروں نے اپنے اپنے حصے کا فیض وصول کیا ہے۔

دارالعلوم میں میرے شب و روز

سب سے اہم اور بڑی مصروفیت تو یہ رہی ہر روز بعد نماز عصر حضرت صاحب کا مسکراتا چہرہ دیکھتے اور موقع پاکر ہم ہاتھ ملاتے وہ ہاتھ تھام لیتے ہم سر جھکاتے وہ شفقت بھرے ہاتھ ہمارے کاندھوں پر رکھ دیتے ان ہاتھوں کی ٹھنڈک آج بھی ویرانہ دل کو آباد رکھے ہوئے ہے ان ہاتھوں کی حرارت اور بے لوث جذبوں کو صرف وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جن کو ان ہاتھوں میں ہاتھ دینا نصیب ہوا ہے۔

کبھی کبھار بابو غلام مرتضیٰ صاحب عزت مآب استاد محمد سعید احمد صاحب اور خلیفہ صاحب وغیرہ کے ہمراہ لنگر شریف تک مشایعت نصیب ہوتی تھی آپ لنگر شریف کے دروازے پر پہنچ کر چند لمحے ٹھہرتے ایک مرتبہ سب کی طرف دیکھتے اور اندر تشریف لے جاتے بعد نماز عصر ختم خواجگان کے بعد گھر جانا غالباً" آپ کا معمول تھا شاید آپ نے اس وقت کو سنت کے طور پر منتخب فرمایا ہوا تھا۔

میں اور میرے اساتذہ

تفسیر بیضاوی شریف بزرگ استاد قبلہ حضرت صاحب کی مراد مولانا محمد خان نوری ابدالوی جو کہ حضرت صاحب کے خاص شاگردوں میں سے ہیں اور آپ سے ہی دست بیعت کا شرف رکھتے ہیں سے پڑھی۔

پر طرفہ تماشا یہ ہے کہ پڑھی بیضاوی مگر جب امتحان کا وقت آیا بیضاوی کا پیپر تھا ہم نے تفسیر ضیاء القرآن پڑھ کر امتحان دے دیا اور پاس ہو گئے۔ حضرت نوری صاحب جیسے مخلص اساتذہ صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔

(2) انشاء اور بلاغت میاں افتخار صاحب سے پڑھی۔ میاں صاحب بلا کے ذہین انسان ہیں عربی تو ان کے ہاتھ کی چھڑی اور جیب کی گھڑی ہے قبلہ حضرت صاحب کے لاڈلے شاگردوں میں سے ہیں۔

(3) اصول حدیث اور حدیث مولانا عبدالرزاق صاحب سے پڑھی جو بڑے ہی محنتی استاد ہیں اور شاگردوں کو دوستوں کی طرح پڑھاتے ہیں۔

(4) ملک محمد بوستان صاحب سے گرائمر شروع کی مگر ادھوری رہ گئی آپ گہری فکر و نظر کے مالک اور دھیمے لہجے کے آدمی ہیں۔ ڈسپلن اور اوقات کے سخت پابند ہیں۔

(5) اکنامکس اور اردو استاد پروفیسر حافظ احمد بخش صاحب سے پڑھی جو ذہین و فطین ہونے کے ساتھ بہترین منتظم بھی ہیں قبلہ حضرت صاحب کو آپ کی ذات پر انتظامی معاملات میں بہت زیادہ اعتماد تھا۔

قبلہ حافظ صاحب حضرت صاحب کے جدی پشتی مریدین میں سے ہیں دارالعلوم میں آپ کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے حضرت قبلہ پیر صاحب کی ذات اور آپ کے مشن سے والہانہ حد تک لگاؤ رکھتے ہیں۔

منتہی کلاسز کے معزز اساتذہ کرام

مجھے دورہ حدیث کی کلاس میں حضور ضیاء الامت حضرت قبلہ پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری رحمتہ اللہ علیہ سے "بخاری شریف" اصول فقہ ابو زہرہ مصری اور تصوف میں عوارف المعارف کا کچھ حصہ اور علامہ اقبال علیہ الرحمہ کا کچھ کلام پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ (اس کی تفصیلات آئندہ اوراق میں عرض کروں گا۔)

(2) شیخ الحدیث مولانا محمد معراج الاسلام صاحب لائلپوری (فیصل آباد) حالیہ شیخ الحدیث منہاج القرآن لاہور سے موطا امام مالک پڑھی شیخ الحدیث صاحب انتہائی عظیم اور نفیس طبیعت کے مالک استاد ہیں خوش خلق، خوش خو اور علم وفن کا کوہ ہمالہ ہیں آپ کو حضور ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ لازوال رفاقت حاصل رہی ہے۔

آج کل ادارہ منہاج القرآن کا تو ہمیں علم نہیں لیکن مولانا پروفیسر طاہر القادری صاحب آپ سے خوب مستفید ہو رہے ہیں۔

لطیفہ :- میں تبلیغی مصروفیات کی وجہ سے بسا اوقات غیر حاضر ہو جاتا تھا میں جلسے سے آیا تو شیخ الحدیث صاحب نے پوچھا کہ مولانا کہاں رہے میں نے حقیقت حال عرض کر دی فرمانے لگے بھائی خطابت تو آپ کی مسلم ہے مگر لقب کوئی باقی نہیں رہا جو آپ کو دیا جائے کیونکہ کوئی خطیب عرب و عجم بن گیا کوئی خطیب یورپ غرضیکہ کوئی لقب نہیں رہا میں نے ہنستے ہوئے کہا کہ ایک لقب باقی ہے فرمانے لگے وہ کون سا؟

میں نے کہا جناب "خطیب الثقلین" خوب محظوظ ہوئے پھر آتے جاتے از راہ مذاق کبھی کبھی اسی لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے۔

(3) عزت مآب استاد قاضی محمد ایوب صاحب موجودہ مفتی شیخ الحدیث دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف قاضی صاحب قبلہ بڑے ہی محنتی اور فہیم انسان ہیں فقہ اور اصول فقہ میں مہارت تامہ کے حامل ہیں علم حدیث میں بھی سند کا درجہ رکھتے ہیں۔

فقہی مسائل میں قبلہ پیر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے معین و مددگار رہے ہیں مجھے ان سے ترمذی شریف ہدایہ شریف اور نور الانوار پڑھنے کا موقع ملا۔ بڑی ہی لگن اور محنت سے پڑھاتے ہیں

(4) استاد ملک عطا محمد صاحب۔ حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ کے سابقون الاولون شاگردوں میں سے ہیں جذبہ خدمت سے سرشار لغت عرب کے عظیم فاضل ہونے کے باوجود دار العلوم کی تعمیر و ترقی میں عشق کی حد تک لگاؤ رکھتے ہیں متنبی، حماسہ، مقامات، سبعہ معلقہ اور عبرات وغیرہ جیسی درسی اور مشکل کتابوں کی الجھی ہوئی عبارات کو پلک جھپکنے میں سلجھا دینے والا فاضل ہاتھوں میں پلاس و پیچ کس پکڑے ہوئے نام و ننگ دنیا سے بے پرواہ دار العلوم کی خراب موٹریں ٹھیک کرتا پھر رہا ہو۔

مجھے فخر ہے کہ ایسے مخدوم و محترم استاد سے بھی مجھے شرف تلمذ حاصل ہے حماسہ اور عبرات وغیرہ انہیں سے پڑھے تھے۔

دارالعلوم میں متشدد سنی رضوی شخصیت

ویسے تو دارالعلوم محمدیہ غوثیہ مسلک اہلسنّت (جس کی ترجمانی شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اور اعلی حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے کی) کا ترجمان ہے اور اب اس حقیقت کو اپنے پرائے سب تسلیم کرتے ہیں کہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کے وجود سے اہلسنّت کا بھرم قائم ہے۔

مگر اس کی بنیادوں میں اعتدال کا عنصر غالب ہے یہاں دوسرے مسالک سے خواہ مخواہ الجھنے کو کبھی بھی پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا گیا۔

اور اگر کسی نے مسلک حق کی تکذیب کی یا نشانہ تضحیک بنایا تو اسے بھی کبھی نہیں بخشا گیا۔

دارالعلوم میں ایک بزرگ استاد تھے جن کا نام مولانا محمد فاضل تھا وہ اسم بامسمی شخصیت تھے۔ زبردست فقیہ پرہیزگار اور مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی کے عاشق زار تھے۔ کہا جاتا ہے کہ فتاوی رضویہ کے حافظ تھے یعنی اعلی حضرت کے فتاوی پر ان کی گہری نظر تھی۔ ہر مسئلہ کا جواب اسی فتوی سے دیا کرتے تھے۔

وہ مسلکا" متشدد اور متصلب سنی رضوی تھے کسی بدعقیدہ سے سلام لینا پڑھنا پڑھانا ناروا سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے کہہ دیا کہ فلاں شخص جو آپ کے کمرے میں بیٹھا رہا وہ بد عقیدہ وہابی تھا۔ فورا" اٹھ کھڑے ہوئے کمرہ دھلایا تب جا کے انہیں چین آیا۔ ان کے سخت رویہ کے باوجود حضور ضیاء الامت ان کا بے حد احترام فرماتے تھے۔ بلکہ دلداری فرمایا کرتے تھے۔

مولانا محمد فاضل مرحوم (مدرس دارالعلوم محمدیہ غوثیہ) کی مسلکی پختگی اور علم و فضل کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب مشہور عالم اور مناظر مولانا عنایت اللہ صاحب مرحوم و مغفور آف سانگلہ ہل کا وصال ہوا تو ان کی جگہ مولانا کو خطیب مقرر کیا گیا۔

اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ کی دنیا میں حضرت ضیاء الامت علیہ الرحمہ نے کیسے کیسے گوہر ہائے صد رنگ بسا رکھے تھے اور آج بھی آسمان سنیت کے مہر و ماہ کرنیں بکھیر رہے ہیں۔

الٰہی حشر تک آستان یار رہے
یہ آسرا ہے غریبوں کا برقرار رہے
آمین

آمدم بر سر مطلب

گزشتہ اوراق میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ نشان راہ تھا اب منزل آگئی ہے وہ ایک شخص کتنا عظیم تھا کہ جس کے ذکر کی خاطر مجھے کتنے اشخاص و افراد کا ذکر کرنا پڑا ہے ایک اس کے کوچے کی تلاش میں کتنے اشخاص و افراد کا ذکر کرنا پڑا ہے ایک اس کے کوچے کی تلاش میں کتنے کوچوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

سر دار بھی پکارا لب بام بھی صدا دی
میں کہاں کہاں نہ پہنچا تیری دید کی لگن میں

اس سے قبل کہ میں پیار کے وہ نغمے چھیڑوں وہ بیتے لمحے یاد کروں جنہیں یاد کر کے آج بھی میری پلکوں کی جھالر بھیگ جاتی ہے اور بھرے ہوئے زخم ہرے ہونے لگتے ہیں۔

کوچہ ضیاء الامت میں گزری ہوئی یادیں تیر بن کر دل میں ترازو ہو جاتی ہیں۔

اور دل سے جو درد اٹھ اٹھ کر صدا دیتا ہے وہ صدا آپ بھی سنیں شاید دل بے قرار کو اس طرح سے قرار آجائے بخت بہاولپوری نے یہ درد بھرا گیت نہ جانے کس پس منظر میں کہا تھا لیکن مجھے تو میرے ہی درد کی تفسیر لگتا ہے۔

1- ہاسے تاں جگ وسدے ہاسے اج کلھڑے پیوں کرلا سے
2- اساں سنڑدے ہاسے مٹھیاں گالھیں سونہڑا یار سنڑیندا ہاسے
3- ڈیندا ہا دلدار دلاسے تے نکھڑنڑ یاد نہ ہاسے
4- بختا اوھے ڈےنہ چنگیرے آہن جہڑے سجناں نال نبھاسے

ترجمہ:۔ جب ہم زندہ تھے تو دنیا میں بھی بستے تھے لیکن آج ہم اکیلے رو رہے ہیں۔
ہم میٹھی میٹھی باتیں سنتے تھے اور ہمارا محبوب سناتا تھا
وہ ہمارے دکھی دل کی ایسے دلداریاں کرتا تھا کہ ہمیں جدا ہونا یاد بھی نہ تھا۔

اے بخت وہ دن کتنے ہی اچھے تھے جب ہم اپنے سوہنے ساجن کے ساتھ تھے۔
لیکن اقبال کی زبان میں۔

وادی نجد میں وہ شور سلاسل نہ رہا
قیس دیوانہ نظارہ محمل نہ رہا
حوصلے وہ نہ رہے ہم نہ رہے دل نہ رہا
گھر یہ اجڑا ہے کہ تو رونق محفل نہ رہا
بوئے گل لے گئی بیرون چمن' راز چمن
کیا قیامت ہے کہ خود پھول ہیں غماز چمن
عہد گل ختم ہوا ٹوٹ گیا ساز چمن
اڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پرداز چمن
ایک بلبل ہے کہ ہے محو ترنم اب تک
اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

اس سے قبل کہ آپ کی حیات و تعلیمات کی تفصیل پیش کروں آپ حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ کی مبارک زندگی کا مختصر سوانحی خاکہ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ کے مختصر حالات

حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کا سلسلہ نسب 22 واسطوں سے حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی سے ملتا ہے آپ کا مقام پیدائش بھیرہ شریف ضلع سرگودھا اور تاریخ پیدائش 21 رمضان المبارک 1336 ھجری بمطابق یکم جولائی 1918ء شب دو شنبہ بعد نماز تراویح ہے۔ آپ کا نام آپ کے جد امجد حضرت امیر السا لکین پیر امیر شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے تجویز فرمایا۔

تعلیمی مراحل

آپ رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیم کا آغاز قرآن کریم سے ہوا۔ درگاہ شریف پر متعین اساتذہ کرام سے قرآن کریم پڑھنے کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اور ساتھ ہی 1925ء میں محمدیہ غوثیہ پرائمری سکول میں مکتب کی تعلیم بھی شروع ہو گئی۔ 1936ء میں گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ آپ کے تعلیمی مدارج کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی آپ مڈل سٹینڈرڈ کے مراحل میں تھے کہ آپ کے والد محترم نے دربار عالیہ سے متصل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ میں متعین استاد گرامی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بالاکوٹی کے پاس درس نظامی کے اسباق شروع کرا دیئے تھے۔ فارسی' صرف' نحو اور فقہ کے ابتدائی رسائل مولانا موصوف سے پڑھے۔ ان کے بعد منطق' فقہ اور نحو کی کچھ کتب مولانا عبدالحمید صاحب ساکن کھٹیالہ سے پڑھی ہیں۔ مولانا عبدالحمید صاحب کے بعد آپ کے والد گرامی حضرت پیر محمد شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے آپ

کی تعلیم کے لئے اس دور کے مشہور عالم حضرت مولانا محمد دین صاحب بدھوی کی خدمات حاصل کیں علامہ بدھوی سے آپ نے مندرجہ ذیل کتب پڑھیں' ملا حسن' میر زاہد' ملا جلال' حمد اللہ' قاضی مبارک' سلم' بحرالعلوم' صدرہ' شمس بازغہ' مختصر المعانی وغیرہ مولانا محمد دین کے بعد حضرت مولانا غلام محمود صاحب ساکن پپلاں بطور مدرس تعینات ہوئے۔ آپ سے حضور ضیاء الامت نے عربی ادب میں حماسہ اور متنبی' فقہ میں ہدایہ شریف اور علوم عقلیہ میں ریاضی' عکر' ربع المجید' فلکیات اور علم عروض کی تعلیم حاصل کی موخر الذکر دونوں اساتذہ کرام کے بارے آپ کے تاثرات انتہائی تشکرانہ کلمات پر مشتمل ہوتے تھے آپ فرماتے تھے دونوں اساتذہ اپنے اپنے فن میں یگانہ روزگار تھے۔ دونوں کا انداز تدریس منفرد اور میرے ساتھ رویہ حد درجہ مربیانہ اور مشفقانہ تھا۔ اسی دوران کچھ مدت کے لئے آپ چکوال سے متصل موہڑہ کدمتھی کے مشہور عالم دین حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب کے پاس بھی پڑھتے رہے۔ اس عرصہ میں رہائش موضع پنجائن میں تھی۔ حضرت قاضی صاحب حکیم بھی تھے اور کھیتی باڑی بھی کرتے تھے۔ آپ جہاں جاتے تھے طلبہ آپ کے ساتھ چلتے رہتے تھے۔ اور اکتساب فیض کرتے تھے متذکرہ تعلیمی مراحل طے کرنے کے بعد آپ رحمتہ اللہ علیہ نے 1941ء میں اورنٹیئل کالج لاہور میں فاضل عربی کی کلاس میں داخلہ لیا اس وقت فاضل عربی کا امتحان یونیورسٹی کی زیر نگرانی منعقد ہوتا تھا۔ وہاں مختلف اساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔ محترم رسول خان صاحب سے ترمذی اور مسلم العلوم پڑھیں مولانا نورالحق صاحب سے بیضاوی شریف اور الکامل للمبرد کا درس لیا۔ اور شیخ محمد عربی جو تیونس یا الجزائر کے رہنے والے تھے۔ ان سے عربی ادب میں راہنمائی لی۔ آپ کے بقول شیخ محمد عربی آپ پر حد درجہ شفقت فرماتے تھے۔ عربی زبان میں نہایت عمدہ مقالہ لکھنے پر انہوں نے بطور حوصلہ افزائی آپ کو ارشاد فرمایا۔ اجتھد فی الانشا انی ارجولک النجاح اس دوران آپ رحمتہ اللہ علیہ کا قیام اچھرہ میں معظم علی صاحب کے مکان پر رہا۔ کچھ مدت کے لئے دربار حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ سے متصل ایک حجرہ میں بھی رہائش رکھی۔ فاضل عربی میں آپ نے پنجاب بھر میں اول پوزیشن

حاصل کی اور 600 میں سے 512 نمبر حاصل کئے۔ فاضل عربی کا امتحان پاس کرنے کے بعد 1942ء میں ضلع ہزارہ کے مختلف علماء کے پاس حاضر ہوئے۔ مانسہرہ میں مولانا حمید الدین صاحب سے التوضیح والتلویح اور بعض دیگر کتب کے اسباق پڑھے اسی سال آپ نے درس نظامی کی تکمیل کی اور دارالعلوم محمدیہ غوثیہ سے سند فراغت حاصل کی۔

1943ء میں اپنے پیرو مرشد شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمرالدین سیالوی رحمتہ اللہ کے مشورہ سے دورہ حدیث کے لئے مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی بارگاہ میں حاضری ہوئی۔ حدیث شریف کے کچھ اسباق حضرت مولانا محمد عمر صاحب(والد محترم محمد اطہر نعیمی) سے پڑھے۔ اور باقی کتب حضرت صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ کے حلقہ تدریس میں بیٹھ کر مکمل کیں۔

حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ رحمتہ اللہ علیہ کو سند حدیث عطا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا میں آج مطمئن ہوں کہ میرے پاس جو امانت تھی۔ وہ میں نے موزوں فرد تک پہنچا دی ہے۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ کو دستار فضیلت حضرت دیوان صاحب آل رسول اجمیری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے دست اقدس سے باندھی 1945ء میں آپ رحمتہ اللہ علیہ نے پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کا امتحان پاس کیا بی اے اور دورہ حدیث شریف کی تکمیل کے بعد 1951ء تک آپ بھیرہ شریف مقیم رہے۔ اس دوران دارالعلوم میں درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا اور اپنے والد محترم کی معیت میں تحریک پاکستان میں بھی جاندار خدمات پیش کیں 3 مارچ 1948ء میں آپ رحمتہ اللہ کی شادی آپ رحمتہ اللہ علیہ کے چچا حضرت پیر صدیق شاہ رحمتہ اللہ علیہ کی دختر نیک اختر سے ہوئی۔ 1951ء سے 1954ء تک آپ رحمتہ اللہ علیہ مصر چلے گئے اور عالم اسلام کی منفرد درسگاہ جامعہ ازہر مصر سے اصول فقہ میں ایم اے کیا۔

قیام مصر کے دوران آپ نے بے انتہا محنت کی اور نہ صرف اصول فقہ بلکہ دیگر فنون میں بھی کامل دسترس حاصل کی۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کے اساتذہ میں شیخ محمد ابو زہرہ، محمد مصطفیٰ شبلی، استاد احمد زکی وغیرہ کے اسماء سرفہرست ہیں۔ ان اساتذہ نے

آپ کو ذاتی طور پر حسن کارکردگی سے تعریفی سرٹیفکیٹ عطا کیے۔ جنہیں پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ وہ اساتذہ کتنے مردم شناس تھے۔

مصر سے واپسی کے بعد اپنے والد گرامی کی خدمت اور خانقاہ کے معاملات میں مصروف رہنے کے ساتھ ساتھ انفرادی طور پر طلبہ کو بھی پڑھاتے رہے۔

عملی زندگی کا آغاز اور دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کی نشاۃ ثانیہ

1957ء میں حضرت پیر محمد شاہ صاحب کا وصال ہوا اور آپ رحمتہ اللہ علیہ نے چہلم کے موقع پر دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کی نشات ثانیہ کا آغاز کیا۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ کو آپ رحمتہ اللہ علیہ کے والد محترم نے ایام طفولیت میں حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت کروایا تھا۔ شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ نے تجدید بیعت فرما کر آپ کو خلافت سے نوازا۔

وہ تعلیمی ادارہ جس کو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے 1957ء میں ایک نئی سمت عطا کی تھی۔ آج تعلیمی میدان میں پورے پاکستان کی تعلیمی قیادت کر رہا ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اس دور میں جبکہ اس طرف کسی نے سوچا بھی نہ تھا۔ ایک ایسا نصاب تعلیم مرتب کیا۔ جس میں بیک وقت علوم عصریہ اور علوم دینیہ کو اس حسین انداز میں سمو دیا گیا کہ اس کی تکمیل کے بعد ایک مسلمان اپنے دین سے بھی پوری طرح آگاہ ہوجاتا ہے۔ اور دینوی تعلیم کے میدان میں بھی وہ کسی احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہوتا۔

آج اس کی کیفیت یہ ہے۔

** مرکزی ادارہ کے علاوہ تقریباً" 25 تعلیمی ادارے مرکز سے وابستہ ہیں اور وہ ادارے جو اس کے ساتھ باقاعدہ نظام میں مربوط نہیں بلکہ انہیں حضور ضیاء الامت کی سرپرستی حاصل ہے وہ اس کے علاوہ ہیں۔

** باقاعدہ مربوط اداروں میں تقریباً" 3500 طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ جن کے قیام و طعام کا بندوبست اداروں کے ذمہ ہے۔

** ان اداروں میں 148 اساتذہ تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں

** اساتذہ کے علاوہ چھوٹے عہدوں پر 80 کے قریب افراد کو روزگار حاصل ہے۔

** مرکزی ادارہ اور اس کی ذیلی شاخوں سے 518 افراد باقاعدہ سند یافتہ فارغ التحصیل علماء مختلف شعبہ ہائے حیات میں دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

** ان میں سے 125 کے قریب دینی مدارس میں 100 کے قریب گورنمنٹ کے تعلیمی اداروں میں 55 افراد پاک فوج میں 10 افراد شعبہ صحافت و تحقیق میں اور باقی 225 کے قریب پرائیویٹ سیکٹر میں متفرق عہدوں پر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ جن سے ایک اندازے کے مطابق 40000 کے لگ بھگ افراد براہ راست استفادہ کر رہے ہیں۔

** جملہ اداروں کی عمارات دیدہ زیب اور جاذب نظر ہیں۔ ان جملہ اداروں کا سالانہ بجٹ تقریباً" دو کروڑ ہے۔

تصنیفات:

حضور ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی توجہات صرف ایک تعلیمی ادارے پر ہی مرکوز نہ کیں بلکہ امت مسلمہ کو درپیش مسائل کا جائزہ لے کر تصنیف و تالیف اور صحافت کے میدان میں بھی اپنا بھرپور کردار ادا کیا آپ کی تصنیفات میں قرآن کریم کی تفسیر "ضیاء القرآن" پانچ جلدیں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر "ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" سات جلدیں حدیث شریف کی اہمیت پر "سنت خیر الانام اور اسلام کے معاشی و معاشرتی پہلوؤں پر مشتمل" مقالات دو جلدیں سرفہرست ہیں۔

اس کے علاوہ شرح قصیدہ اطیب النغم اور رویت ہلال کا شرعی ثبوت کے علاوہ سینکڑوں مقالات ہیں۔ جن میں اسلامی تعلیمات کو نہایت مثبت اور وقیع انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ نے 1870ء میں ماہنامہ ضیائے حرم کا اجراء کیا اور باوقار صحافت کے ذریعے حق گوئی و بے باکی کا فریضہ ادا کیا آپ کی سرپرستی اور ذاتی نگرانی میں ضیائے حرم نے چند اہم ترین نمبرز قوم کی خدمت میں پیش کئے۔ جن میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر، صدیق اکبر نمبر، فاروق اعظم نمبر، تحریک ختم نبوت نمبر، شمس العارفین نمبر اور شیخ الاسلام نمبر وغیرہ سرفہرست ہیں۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ نے ہر مشکل موڑ پر قوم کی راہنمائی کے لئے اپنی صلاحیتیں پیش کیں۔ 1964ء 1968ء تک اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے بورڈ آف گورنرز کے ممبر رہے۔

1970ء کے انتخابات میں جمعیت العلماء پاکستان کے سٹیج سے بطور نائب صدر اول سیاسی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حضرت شیخ الاسلام رحمتہ اللہ علیہ کی معیت میں پورے ملک کا دورہ کیا اور قوم کو سوشلزم کی حقیقت سے آگاہ کیا۔ 1974ء میں تحریک ختم نبوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ 1977ء میں تحریک نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایسا جاندار کردار ادا کیا کہ پورے ملک میں آپ رحمتہ اللہ علیہ کی ذات مرکز توجہ بن گئی۔

پنجاب کے مختلف اضلاع میں جلسہ عام سے خطاب کیا اور تحریک کو نئی روح عطا کی۔ دفعہ 144 کی خلاف ورزی میں آپ رحمتہ اللہ علیہ کے خلاف مقدمات قائم ہوئے۔ ریذیڈنٹ مجسٹریٹ نے آپ کو تین ماہ قید با مشقت کی سزا سنائی۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ 36 دن نیو سنٹرل جیل سرگودھا میں مقیم رہے۔ اس دوران بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہا اور وعظ و تلقین کی محفلیں بھی چلتی رہیں۔ محترم گل محمد فیضی صاحب نے اس دور کی تقاریر دی تھیں جو ابر کرم کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔

1977ء کی احتجاجی تحریک کے نتیجے میں دوبارہ الیکشن کروانے کا مطالبہ منظور ہوا تو پاکستان قومی اتحاد کی قیادت نے آپ رحمتہ اللہ علیہ سے پر زور استدعا کی کہ آپ اپنے حلقہ این اے 47 میں اسمبلی کی نشست کی درخواست دیں۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے احباب کا مطالبہ منظور کرتے ہوئے پی این اے ٹکٹ پر الیکشن میں حصہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ ابھی انتخابی مہم زوروں پر تھی کہ جنرل محمد ضیاء الحق نے مارشل لاء نافذ کر دیا اور الیکشن ملتوی ہو گئے سابق صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے جب پاکستان میں اسلامی اقدار متعارف کرانے کا سلسلہ شروع کیا اور حدود و تعزیرات کے مقدمات کے ساتھ ساتھ فیڈرل شریعت کورٹ کو یہ اختیار دیا کہ وہ ان آئینی دفعات میں ترمیم کر لے جو اسلام کے منافی ہیں نتیجہ اس عدالت نے اپنے فیصلے میں "رجم" جیسی اسلامی حد کے بارے

میں تشکیک پیدا کر دی۔ اس موقع پر حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ نے ضیائے حرم کے ادارتی کالموں میں اسی فیصلہ کے خلاف وقیع دلائل دیئے۔ جس سے متاثر ہو کر جنرل ضیاء الحق نے آپ رحمتہ اللہ علیہ کو فیڈرل شریعت کورٹ میں بطور جسٹس کام کرنے کی دعوت دی اگرچہ بعض دوستوں نے عرض کیا کہ یہ آپ رحمتہ اللہ علیہ کے مقام سے کم تر منصب ہے۔ لوگ کہیں گے کہ حکومت کے کاسہ لیس بن گئے ہیں۔ لیکن آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا یہ عصر حاضر کا چیلنج ہے یہ اسلامی اقدار کے دفاع کا زریں موقع ہے۔ مجھے کچھ بھی کہا جائے میں اس محاذ پر کام کروں گا چنانچہ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے 1980ء میں یہ ذمہ داری قبول فرمائی۔ پہلے فیڈرل شریعت کورٹ میں پھر سپریم کورٹ میں آپ رحمتہ اللہ علیہ بحیثیت جسٹس خدمات سرانجام دیتے رہے۔ الحمد للہ اس اہم ترین ذمہ داری کو بڑے احسن انداز میں نبھایا۔ "رجم"، حق شفعہ، زرعی اصلاحات اور جبری ریٹائرمنٹ جیسے اہم ترین مقدمات کے فیصلے آپ رحمتہ اللہ علیہ نے ہی لکھے۔

○ آپ رحمتہ اللہ علیہ 1971 سے 1989ء تک رویت ہلال کمیٹی کے ممبر رہے اور 1984ء سے 1986ء تک بحیثیت چیئرمین کام کیا۔

○ 1986ء سے 1992ء تک آپ رحمتہ اللہ علیہ قائداعظم یونیورسٹی کے سنڈیکیٹ کے ممبر رہے۔

○ 1981ء سے 1985ء تک بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے ٹرسٹی کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

○ 1986ء میں نیشنل ہجرہ کونسل کے ممبر مقرر ہوئے۔

○ 1984ء سے 1994ء عالمی دارالمال الاسلامی کے اسلامی سپروائزر بورڈ کے ممبر رہے اور دنیا کے مختلف ممالک میں اس کے اجلاسوں میں شرکت کر کے اہم ترین امور کے بارے میں اپنے مشوروں سے نوازا۔

ان ذمہ داریوں کے علاوہ آپ نے متعدد کمیٹیوں اور کمشنز میں شرکت کر کے دینی و ملکی امور کے بارے میں اپنی سفارشات پیش کیں۔ آپ کی خدمات کے اعتراف

کے طور پر آپ کو صدر پاکستان نے ستارہ امتیاز کا اعزاز پیش کیا۔ اور ملکی و عالمی سطح پر اسلامی خدمات کے حوالے سے مصر کے صدر حسنی مبارک نے آپ کو حسن کارکردگی کا میڈل پیش کیا۔

○ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اندرون ملک اور بیرون ملک بے شمار اہم عالمی کانفرنسوں میں شمولیت کی اور مقالات پیش کئے۔

○ علماء کے وفد میں شامل ہو کر حکومتی سطح پر روس کا دورہ کیا اور وہاں کے مذہبی حالات کا جائزہ لیا۔

○ 1980ء میں پاکستان کے دوست ملک چین کا دورہ کیا اور اپنے ملک کی بہترین انداز میں نمائندگی کی۔

○ 1982ء اور 1983ء میں حکومتی استدعا پر بالترتیب انڈونیشیا اور مالدیپ کے مطالعاتی دورے کئے۔

○ 1988ء میں اقوام متحدہ کی طرف سے اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے قائم کردہ کمیشن کے ساتھ مذاکرات کے لئے جینوا گئے اور بڑے واضح انداز میں پاکستان کا موقف پیش کیا۔

اولاد امجاد:

آپ رحمتہ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے چھ فرزند چار صاحبزادیاں عطا فرمائیں ساری اولاد سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مزین اور دینی اقدار کا حسین پر تو ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کی نسبی اولاد اور پورا خاندان آپ رحمتہ اللہ علیہ کے مشن اور بالخصوص آپ رحمتہ اللہ علیہ کے قائم کردہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کے ساتھ والہانہ عقیدت رکھتا ہے۔ ہر ہر فرد کی خواہش ہوتی ہے کہ ادارہ اور اس کے متعلقین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کریں۔ یہ جذبہ حضور ضیاء الامت کے فیضان تربیت کا عطا کردہ ہے۔

بڑے صاحبزادے والا مرتبت محمد امین الحسنات شاہ صاحب کو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی نیابت کے فرائض سونپے ہیں اور 22 دسمبر 1997ء سے اپنے سلسلہ میں بیعت لینے اور جملہ خانقاہی امور سرانجام دینے کی اجازت بخشی ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بے

پناہ علمی، انتظامی اور فکری صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ انشاء اللہ آپ کی نگرانی میں حضور ضیاء الامت کی امیدوں کا قافلہ بحسن و خوبی جانب منزل رواں دواں رہے گا۔

الحاج صاجزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب اور میجر محمد ابراہیم شاہ صاحب آپ کے قائم کردہ اشاعتی ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز کو چلا رہے ہیں ان سے چھوٹے صاجزادے محمد محسن شاہ صاحب ہیں اس وقت پنجاب اسمبلی کے ممبر ہیں۔

دونوں چھوٹے لخت جگر صاجزادہ ابوالحسن محمد شاہ صاحب اور جناب فاروق بہاؤ الحق شاہ صاحب تعلیمی مراحل طے کر رہے ہیں اول الذکر مرکزی دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہو کر ادارہ میں اسباق بھی پڑھا رہے ہیں اور جامع ازہر میں داخلہ کے لئے کوشاں ہیں۔ جناب فاروق بہاؤ الحق شاہ صاحب بی اے کرنے کے بعد بیرسٹری کے لئے انگلینڈ جا چکے ہیں

قطروں کو گہر بنانے کی خواہش

کتنا خوبصورت دن تھا لائبریری کے وسیع ہال میں محفل درس و تدریس جمی تھی بخاری شریف کا درس ہو چکا تھا اصول فقہ کا سبق ختم ہوا تو حضور ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ لوگ زبان و بیان پر خاص توجہ دیں اردو زبان و ادب میں بے شمار غلطیاں راہ پا گئی ہیں آپ حضرات علمائے کرام ہیں آپ کی تحریر و تقریر میں غلطیاں نہیں ہونی چاہئیں۔

آپ نے غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کہ آج کل مشرق وسطی خبروں کا موضوع بنا ہوا ہے یہ لفظ مشرق وسطی غلط ہے اس کا درست تلفظ "شرق اوسط" ہے۔

سلسلہ گفتگو جاری تھا روئے سخن میری طرف ہوا اور فرمایا کہ قادری صاحب آپ اچھے خطیب ہیں کچھ لکھا بھی کریں میں نے عرض کیا کہ جناب! مجھے لکھنے کا طریقہ نہیں آتا۔ فرمانے لگے آپ لکھا کریں میں تصحیح کر دیا کروں گا۔

اسی مجلس میں مضمون لکھنے کا طریقہ سمجھایا میں اپنی روایتی کاہلی کی وجہ سے آپ کی ذات سے کما حقہ فائدہ نہ اٹھا سکا ورنہ آپ کی شفقت و محبت کا بادل موسلا دھار برستا رہا بسا اوقات چار چار گھنٹے ایک ہی پیریڈ جاری رہتا باوجود پیرانہ سالی کے آپ ایک

ایک مسئلہ پر بھرپور انداز میں تقریر فرماتے دراصل آپ کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ میرے شاگردوں میں کسی سمت سے کمی نہ رہ جائے یہ علم و فن کے مہر و ماہ بن کر چمکیں اور دنیا سے جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کو سویروں میں بدل دیں۔ اس لئے آپ نے اپنے خون جگر کو علم و فن کے موتیوں میں ڈھال کر اپنے شاگردوں کے قلب و ذہن میں اتار دیا۔

ہم نے تو دل جلا کے سر عام رکھ دیا
اب جس کے جی میں آئے پائے روشنی

آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر

دوران تدریس جب کبھی ذکر سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آتا بے ساختہ آنکھوں کے پیالے چھلک جاتے اور پھر سبق کے اختتام تک ساون کی جھڑی لگی رہتی اور "قریبا" یہ روز کا معمول تھا۔ صدق و صفا کے حامل عالم دین اور خشک ملا میں یہی فرق ہے بقول اقبال۔

دل ملا گرفتار غم نیست
زانکہ نگاہے ہست در چشمش نم نیست
ازاں بگریختم از مکتب او
کہ در ریگ حجازش زمزم نیست

ترجمہ:۔ مولوی صاحب کے پہلو میں دل تو ہے لیکن غم نہیں ہے۔
نگاہ تو ہے مگر چشم پرنم نہیں ہے۔
اس کے مکتب و محفل سے اس لئے گریزاں ہوں کہ
اس کے حجاز کی ریت میں آب زمزم کا کوئی چشمہ نہیں ہے۔

اے آتش فرقت دلہا کباب کردہ

یوں تو عشق رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہر مومن کے لئے متاع گرانمایہ ہے مگر مبارک ہیں وہ دل جن کی ہر دھڑکن یاد محبوب کے ساتھ دھڑکتی ہے مبارک ہیں وہ آنکھیں جو فراق سرکار میں برستی ہیں مبارک ہیں وہ راتیں جو تصور حبیب سے معمور

رہتی ہیں۔ درد کی بے بہا دولت صرف خوش نصیب لوگوں کا حصہ ہوتی ہے بقول پیر فرید

درد فرید ہے چیز مہانگی
تھیندے ونج وپار

(خواجہ فرید رحمتہ اللہ علیہ)

حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ کو یہ دولت بھی وافر مقدار میں نصیب ہوئی تھی آپ کی جلوتوں میں بے تابیاں اور بے قراریاں سب نے دیکھی ہیں کہ ادھر محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر چھڑا اور ادھر خوبصورت آنکھوں کے سرخ ڈوروں کا بند توڑ کر آنسوؤں کی جھڑی موتیوں کی لڑی میں بدل گئی۔

آپ کی خلوتوں کی بے تاب جنتیں

خلیفہ مختار احمد صاحب بتاتے ہیں کہ جب رات کے سائے گہرے ہو جاتے دنیا سو جاتی آپ مجھے بھی فرماتے کہ تو بھی سو جا میں سو جاتا آپ چادر یا رضائی منہ پر لے لیتے مجھے سسکیوں کی آواز آتی کبھی کبھی میں اٹھ کر چہرے سے کپڑا ہٹا دیتا تو آپ کو زارو قطار روتا پاتا اور آپ گریہ و زاری میں مندرجہ ذیل اشعار گنگناتے رہتے۔

اتانی ہوا ہا قبل ان اعرف الھوی
فصادف قلبا" خالیا" فتمکنا

ترجمہ:۔ اس کا پیار اس وقت میرے دل میں گھر کر گیا جب میں محبت کے مفہوم سے نا آشنا تھا اس نے میرے دل کی نگری کو خالی پایا اور ڈیرے لگا دیئے

ساڈی گلی لنگھ ماہیا

خلیفہ صاحب بتاتے ہیں کہ راتوں کی خلوتوں میں کبھی کبھی آپ فارسی کے اشعار گنگناتے (غالبا" یہ اشعار علامہ جامی علیہ الرحمہ کے تھے) اور روتے رہتے اور کبھی کبھی آپ جب ہجر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ میں بے تاب ہوتے تو پنجابی کے یہ بول اکثر بولتے

دو پتر اناراں دے
ساڈی گلی لنگھ ماہیا دکھ گھٹن بیماراں دے

بس پھر چشم نم مسکرا اٹھتی اور داڑھی شبنمی آنسوؤں سے تر ہو جاتی اسی بزم درد میں آپ یہ پنجابی ماہیا بھی عموماً" کہتے تھے۔

موہڈی کماداں دی ا
نالے ساڈا ماہی لگدا نالے جا فریاداں دی

جب آپ بیمار ہو گئے تو راتوں کی بے تابیاں اور ہی بڑھ گئی تھیں پر نم آنکھوں کو دیکھ کر ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے کسی کے انتظار میں بے قرار ہیں۔

میری خلوتوں کی یہ جنتیں کئی بار سج کے اجڑ گئیں
مجھے بارہا یہ ہوا گماں کہ تم آ رہے ہو کشاں کشاں

بھری بزم میں تنہا تنہا

سفیر درد حضرت امیر خسرو نے سچ کہا تھا۔

دردھا داوی و درمانی ہنوز
دل بردی و جاں بردی و درجانی ہنوز

ترجمہ:۔ مجھے درد کے تحفے بھی تو نے دیئے (اور عجیب ہے) کہ میرے درد کا مداوا بھی تو ہے۔

تو نے میرا دل لیا اور جان بھی لے لی اور میری جان میں ڈیرے بھی تیرے ہیں۔

خواجہ پیر فرید نے کچھ ایسا ہی کہا ہے۔

میڈا ڈکھ سکھ روز کھلنڑ وی توں
میڈا درد وی توں درمان وی توں
میڈا خوشیاں دا اسباب وی توں
میڈے سولاں دا سامان وی توں

ان اصحاب درد کی ریت انوکھی ہے کہ جس نے ہجرو فراق کی تلوار برق بار کے وار کیے اسی سے چین اور قرار کی بھیک مانگتے ہیں۔ حضور ضیاء الامت علیہ الرحمتہ اسی

قافلہ عشق و مستی کے فرد فرید تھے۔ خلیفہ صاحب بتاتے ہیں کہ جب بیتاب ہوتے تو سرد آہوں کے ساتھ یہ فارسی کا جملہ ورد زبان ہو جاتا۔

اے دوست! بیا و رحم بہ تنہائی ماکن

ترجمہ:۔ اے دوست کرم نواز ہو تشریف لا۔
اور میری تنہائیوں پر رحم فرما۔

شان استغناء

سیم و زر کے پیچھے صرف دنیا دار ہی خوار و زبوں نہیں بلکہ منبر و محراب سے لے کر مدرسہ و خانقاہ تک یہ سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔

ہوس زر نے مشائخ سے جذبہ خدمت اور درد و سوز علماء سے خلوص و للہیت اور عوام سے محبت و مروت کی دولت بشکیر چھین لی ہے۔ گویا انسان کی انسانیت مر گئی ہے اور اترن باقی ہے۔

خدا جانے مروت کہاں کھو گئی ہے
یہاں تک تو میرے ساتھ آئی

اب تو راہبر اور راہزن کی تمیز ختم ہوتی نظر آرہی ہے۔ امیر و وزیر اور پیرو فقیر سب عروس مادیت کی زلف گرہ گیر کے اسیر نظر آتے ہیں اپنوں کی بزم میں ایک شخص ایسا بھی تھا کہ جس کی ملک کے اقتدار اعلی پہ فائز مقتدر اعلی کے ساتھ شناسائی بھی تھی اور دوستی بھی مگر فقر غیور کے کیا کہنے کہ ارباب اقتدار کی خواہش کے باوجود دامن طلب دراز نہ کیا اور کسی بھی دہلیز پر دست سوال پھیلانے کی زحمت نہ فرمائی بلا شک و شبہ تعلیمی ادارے (ڈونیشن) چندے وغیرہ پہ ہی چلتے ہیں جہاں حکمران کشکول گدائی لے کر در در دریوزہ گری کر رہے ہوں وہاں عامیوں کا کیا حال ہو گا۔

لیکن خانوادہ چشت کے حقیقی وارث کا رنگ درویشی انوکھا اور نرالا تھا۔ اتنے بڑے تعلیمی و تعمیری منصوبے وہ بھی لاہور راولپنڈی اور کراچی وغیرہ جیسے معمور و بھرپور شہروں میں نہیں بلکہ ایک ایسے شہر میں جو دور افتادہ اور پسماندہ بھی ہے۔ میں شروع کیئے مگر نہ سفیر بھیجے نہ در در اپیلیں کیں۔ نہ چندہ جمع کرنے کے لیے جلسے کیے۔

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کی پوری تاریخ میں کبھی قربانی کی کھالیں جمع نہ ہوئیں یہاں تک کہ دس دس سال کا طویل عرصہ اسی مادر علمی سے فیض یاب ہونے والوں کو اشارتاً بھی کبھی ترغیب نہ دی مگر پھر بھی

حرم کعبہ کے چراغ جلتے رہے

اس معاملہ میں آپ حضرت لقمان حکیم کے ان اقوال کی مجسم تفسیر بن کر گم گشتگان وادی مادیت کو راہ دکھاتے رہے۔

برمال کسے طمع مکن

کسی کے مال پر طمع نہ کرنا

وچوں پیش آید منع مکن

اور جب سامنے آ جائے منع نہ کر

لیکن چوں بیش آید جمع مکن

لیکن جب ضرورت سے زیادہ آ جائے جمع نہ کر

قارئین! یہ شخص استغناء و خودداری کا کوہ ہمالہ تھا حضرت لقمان نے تو کہا کہ جب سامنے آ جائے تو منع نہ کر مگر

تیرے آستاں سے بلند ہیں میرے ذوق عشق کی منزلیں

ان گناہ گار آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا کہ مملکت خداداد پاکستان کا وزیر اعظم دارالعلوم محمدیہ غوثیہ میں پہلے خلوت میں پھر ہزاروں افراد کے سامنے امداد و اعانت کرنے کی اجازت چاہتا ہے اور بار بار اصرار کرتا مگر

غیرت فقر کر نہ سکی اس کو قبول

وزیر اعظم پاکستان نے صدا پر صدا لگائی مگر اس مرد درویش نے فقر کی لاج رکھ لی اور اپنی نشست سے اٹھ کر گویا ہوا کہ جناب وزیر اعظم میرے ادارے کے لئے میرے غریب ساتھی معاون ہیں میرے مولیٰ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ہماری ہر ضرورت کو پورا کیا ہے آپ ہماری نہیں ملک و قوم کی فکر کریں۔ واہ واہ۔

ساقی کی نگاہوں کا پرستار نہ چونکا
دیں قلقل مینا نے صداؤں پہ صدائیں

وزیراعظم مع اپنے وزراء کے انگشت بدنداں بلکہ سربگریباں تھا شاید اب بھی قطب الدین فرید الدین شمس الدین اور قمرالدین رحمہم اللہ علیہم کے آثار پائے جاتے ہیں۔

حضور ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی میں دنیا کھلی آنکھوں سے

اغنهم الله ورسوله من فضله

کا نظارہ کرتی رہی۔

یاد رہے کہ استغنا کی منزل تک پہنچنے کے لئے پہاڑوں جیسی استقامت چاہیے۔ کیا خوب تھا وہ شخص جو افلاک کی طرح بلند، آفتاب کی طرح سخی زمین کی سی فروتنی اور عاجزی رکھتا تھا۔ روہی کی شب کی طرح خاموش اور موج ہوا کی طرح رواں دواں تھا مگر وہ

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
ایک شخص سارے شہر کو ویراں کر گیا

شفقت و محبت

حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ کو طلبہ سے از حد محبت تھی اور یہ محبت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل متابعت و پیروی کا نتیجہ تھی۔ آپ کی محبت و دلداری کے سامنے ماں کا جذبہ مہر و محبت بھی ہیچ محسوس ہوتا تھا اولاد سے محبت ایک فطری جذبہ ہے۔ جسے محسوس کرنے کے لئے علم و دانش کی قطعاً" ضرورت نہیں مگر شاگردوں سے محبت اور وہ بھی اولاد سے بڑھکر یہ کوئی دل والا ہی کرتا ہے۔
زبان و بیان کے ذریعہ تو ہر استاد شاگردوں کو اولاد ہی کہتا ہے اور اس سطحی جذبے کے تحت کچھ شاگرد بھی استاد کو باپ کا درجہ دیتے ہیں مگر عمل کی دنیا میں نتیجہ صفر ہوتا ہے اس کے برعکس مردان خود آگاہ و خدامست شاگردوں کو سرمایہ آخرت سمجھتے ہیں

نانی اولاد اور جانی اولاد

شیخ کبیر حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے لخت جگر حضرت نظام الدین کو فرمایا کہ اولاد دو قسم کی ہوتی ہے ایک نانی اولاد اور دوسری جانی اولاد نانی اولاد تم ہو جن سے میرا جسمانی تعلق ہے اور تمہارے کھانے پینے وغیرہ کا بندوبست کرنا بھی میرے ذمہ ہے مگر یہ لوگ جو میرے زیر تربیت ہیں اور مجھ سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں یہ میری جانی اولاد ہے ان سے میرا رشتہ روحانی اور جانی ہے جو دونوں جہانوں میں باقی رہے گا

حضور ضیاء الامت علیہ الرحمتہ کی سوچ بھی یہی تھی خلیفہ مختار احمد صاحب بیان کرتے ہیں حضرت صاحب میں (مختار احمد) اور حضرت صاحب کے سب سے چھوٹے فرزند محمد فاروق بہاؤالحق شاہ تانگے پر کہیں جا رہے تھے فاروق شاہ صاحب بہت چھوٹے تھے مجھ سے پوچھا تم کون ہو میں نے کہا کہ میں حضرت صاحب کا بیٹا ہوں انہوں نے کہا کہ حضرت صاحب کے بیٹے تو ہم ہیں۔

میں نے کہا کہ آپ حضرت صاحب سے پوچھ لیں فاروق شاہ صاحب کے پوچھنے پر حضرت صاحب نے فاروق شاہ صاحب کو فرمایا کہ تم میرے جسمانی بیٹے ہو یہ میرے وہ بیٹے ہیں جو میری قبر کا سرمایہ ہیں

انوکھا باپ نرالی اولاد

مرید اپنے پیر کو اور شاگرد اپنے استاد کو مختلف القابات سے یاد کرتے ہیں مثلاً" قبلہ، حضرت صاحب، حضور والا، غریب نواز وغیرہ مگر اولاد چاہے استاد کی ہو یا پیر کی وہ اپنے والد کو دیگر القابات کی بجائے مندرجہ ذیل الفاظ سے ہی یاد کرتی اور پکارتی ہے مثلاً" ابا جی حضور قبلہ والد صاحب وغیرہ مگر حضرت ضیاء الامت علیہ الرحمہ کو اللہ تعالی نے انوکھی شان سے نوازا تھا کہ شاگرد اور مرید تو اپنے استاد اور شیخ کو القابات سے یاد کرتے ہی ہیں مگر آپ کو آپ کے بڑے فرزند ارجمند صاحبزادہ محمد امین الحسنات شاہ صاحب (سجادہ نشین) سے لے کر چھوٹے بیٹے محمد فاروق شاہ صاحب تک کسی نے بھی القابات کے علاوہ کسی لفظ سے یاد نہیں کیا جتنا عرصہ میں بھیرہ شریف رہا بلکہ آپ کی

حین حیات تک میں نے آپ کی اولاد کے منہ سے یا آپ کے قریبی عزیزوں کے منہ سے اپنے رشتے کے اظہار کا لفظ یعنی ابا جی تایا جان ماموں جان یا چچا جان نہیں سنا بلکہ آپ کی اولاد اور عزیز آپ کو حضرت صاحب' قبلہ' حضور' یا غریب نواز کے القابات سے یاد کرتے اور پکارتے تھے۔ حالانکہ آپ نے نہ اس کی تعلیم دی تھی۔ اور نہ ہی آپ اس تعظیم و تکریم کے خواہشمند تھے۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ اعزاز و اکرام غیب سے تھا۔

خوشگوار حیرت

حضرت ضیاء الامت سراپا مہرومحبت تھے خشک روئی اور تندخوئی تو آپ کے نزدیک سے بھی نہیں گزری تھی بچوں سے بہت زیادہ شفقت فرماتے تھے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی باپ کتنا ہی صاحب عظمت و جلال ہو اس کی اولاد اس کا اتنا احترام نہیں کرپاتی جتنا کہ شاگرد یا مرید کرتے ہیں مگر یہاں تو عالم ہی نرالا تھا۔ کہ جیسے ہم شاگرد اور مرید سراپا ادب بن کر بیٹھتے اولاد ہم سے کہیں زیادہ احترام کا دامن تھامے نظر آتی چھوٹی اولاد عموما" لاڈلی اور بے باک ہوتی ہے مگر میں نے ابوالحسن محمد شاہ صاحب اور فاروق شاہ صاحب کے منہ سے جب ابا جی کی بجائے قبلہ حضرت صاحب کے الفاظ سنے تو کچھ دیر کے لئے سراپا حیرت بنا سوچتا رہا کہ کیا یہ تربیت کا نتیجہ ہے؟

دل نے فورا" صدا دی کہ نہیں بلکہ یہ خلوص و للہیت میں ڈوبی ہوئی شب بیداریوں بارگاہ ایزدی میں سرافگندگی و نیاز مندیوں اور امت مسلمہ کی اصلاح کے لئے بے قراریوں کا صلہ ہے۔

آپ جب اسلام آباد ہسپتال میں زیر علاج تھے میں اپنے مخلص دوست مرزا محمد نعیم صاحب کے ہمراہ آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تو میجر محمد ابراہیم شاہ صاحب آپ کو سہارا دیئے بیٹھے تھے۔ میں قدم بوس ہوا اور اپنی نگاہوں کے ذریعے حسن دلربا کی بہاریں سمیٹنے لگا اچانک ابراہیم شاہ صاحب نے میری طرف اشارہ فرمایا اور قبلہ حضرت صاحب سے ان الفاظ میں میرے بارے میں بتایا۔

"حضور غریب نواز! قادری صاحب آئے ہیں" میری زندگی میں یہ پہلی عظیم ہستی

تھی جس کی اولاد قابل رشک حد تک اس کا احترام کرتی تھی۔

ایہہ ناز و ادا سانولڑے دے

معرف عالم دین صاحب تصانیف کثیرہ میرے استاد محترم حضرت مولانا فیض احمد اویسی بہاولپوری طلبہ کی طبیعت و عادت پہ تبصرہ فرمایا کرتے تھے کہ انہیں "سماخیرا" یعنی سمع خیرا کی بیماری ہوتی ہے ایک مدرسے میں کبھی نہیں پڑھتے دو سال یہاں تین سال وہاں اگر علم صرف کراچی میں پڑھا تو علم نحو لاہور میں جا پڑھیں گے۔

یعنی دینی مدارس کے طلبہ میں یہ خامی ہوتی ہے کہ یہ ایک جگہ ٹک کر نہیں پڑھتے۔

مگر قبلہ پیر صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس تجربہ کو عملاً" غلط ثابت کر دیا کہ جو بچہ مڈل کر کے آیا وہ پورے دس سال دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف میں ہی پڑھتا رہا نہ اسے کراچی کی ہواؤں نے کھینچا اور نہ ہی لاہور کی رونقوں نے اس کی وجہ کیا تھی خود قبلہ حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ "میرے پیار کی زنجیریں اتنی کمزور نہیں کہ کوئی آئے اور یونہی چلا جائے"

آکے بیٹھا تو نہ اٹھا تیری محفل سے
پھر کہیں اور تیرا چاہنے والا نہ گیا

(سید نصیر الدین نصیر مد ظلہ العالی)

بھیرہ شریف کا پانی قدرے کھارا ہے صحت کے لئے بھی مفید نہیں نئے طلبہ اکثر بیمار ہو جاتے علاج کراتے پھر آجاتے چونکہ حضرت صاحب کی شفقت و الفت کی چادر کے سائے تلے جو سکون ملتا تھا وہ ماں باپ کی مشفق بانہوں میں بھی نصیب نہی ہوتا تھا

تو کہاں میں کہاں

دوران تعلیم مجھے پہلے پہل پرانے دارالعلوم میں کمرہ نمبر 22 میں سیٹ الاٹ ہوئی ایک طالب علم بھائی سخت بیمار ہو گیا یہاں تک کہ اس کے کپڑوں اور بستر میں بدبو پیدا ہو گئی ہم اگرچہ تیماردار تھے لیکن اپنی اپنی چارپائیاں دور کر لیں ان دنوں حضرت

صاحب باہر تشریف لے گئے تھے آپ واپس تشریف لائے تو راستے میں ہی آپ کو اطلاع مل گئی کہ کمرہ نمبر 22 میں ایک طالب علم بیمار ہے۔ آپ اپنے کمرے میں جانے کی بجائے سیدھے ہمارے کمرے میں آئے اس طالب علم کے سر کو چوما اور پیشانی پر بوسے دیئے جو کچھ جیب میں تھا اسے عطا فرمایا پیار کیا تسلیاں دی فورا" ڈاکٹر کو بلایا تب آپ کو چین آیا۔

کیا پوچھتے ہو! میں نے ایک پھول کو کانٹوں سے پیار کرتے دیکھا ہے صبح کے سویرے کو شب یلدا کے اندھیروں کو گلے لگاتے دیکھا ہے۔ جن بیماروں کو کوئی نہ پوچھے میں نے مسیحا کو بارہا ان کے سرہانے دیکھا ہے تو آپ ہی بتائیں کہ

اسے چھوڑ کر جائیں تو جائیں کہاں

خواجہ فرید کے سینے میں سلگتی ہوئی عشق کی بھٹی سے یہ آواز آئی تھی۔

ایہے نازوادا سانولڑے دے
ہن باعث عشق اولڑے دے
ڈتے پیش - فراق پنلڑے دے
ڈکھے پینڈے مارو تھلڑے دے

تربیت کی تاثیر

ابتدائی ایام میں دیگر طلبہ کی طرح میں بھی بیماری کا شکار ہو گیا کمزوری بہت زیادہ بڑھ گئی یہاں تک کہ حکیم صاحب نے صحت کی بحالی کے لئے مرغ کی یخنی تجویز فرمائی مگر ہم تو بقول بلبل شیراز

دامن از کجا آرم کہ جامہ نہ دارم

دوست مرغی تو لے آئے مگر پکائے کون ایک دوست نے ہمت کی چولہا لایا تو دیگچی نہ دارد برتن لینے لنگر شریف گئے تو پتہ چلا کہ مائی صاحبہ تو گھر پر نہیں ہیں حضرت صاحب کی بچیوں نے کہلا بھیجا کہ آپ خرید شدہ مرغی بھجوا دیں باقی ہم جانیں اور ہمارا کام جانے۔

لنگر سے مرغی سمیت یخنی پک کر آئی تو ایک مریض اور دیگر صحت مندوں نے کام

وذہن کو شاد کام کیا اور لنگر شریف کو دعائیں دیتے رہے اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ صرف حضور ضیاء الامت ہی طلبہ کا خیال نہیں رکھتے تھے بلکہ آپ نے پورے خاندان کو اس مشن پر لگا دیا تھا۔ آج اس مشن کی برکت سے ہر طرف رونق ہے۔

الٰہی حشر تک آستان یار رہے
یہ آسرا ہے غریبوں کا برقرار رہے

مہرو وفا کا داعی

آپ کے منہ سے بکھرے ہوئے علم کے موتیوں سے لے کر گریہ نیم شبی تک اندرون و بیرون ملک دینی اداروں کے صحن سے لے کر کتابوں کے صفحات تک آپ کی ایک ہی تمنا رہی کہ دین اسلام کو غلبہ نصیب ہو۔ اور ہر سینے کا نصیب عشق حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو اس مشن کی کامیابی کے لئے آپ نے اپنے نحیف بدن کی رگ رگ سے خون ناب کا قطرہ قطرہ نچوڑ کر اسلام کی نذر کر دیا ہے۔

نظر نذر نظر ہوئی سرنیاز قضا ہوا
پہلو میں ایک دل تھا خدا جانے وہ کیا ہوا

آپ اپنے عظیم مشن سے محبت نہیں عشق کی حد تک لگاؤ رکھتے تھے زراندوزی' جاہ طلبی اور شہرت پسندی آپ کے دامن کو چھو بھی نہ سکی۔ آپ کے حال و قال نشست و برخاست اور تدریس و تقریر کا محور بھی مشن کی سربلندی رہا۔

دس سالہ نصاب کی تکمیل پر الوداعی تقریب کا منظر دلکش و دلفریب بھی ہوتا تھا روح فرسا و ہو شربا بھی۔

اس سحر آفرین شخصیت کے زیر سایہ بیتے ہوئے دس سال پر وصال گھڑیوں کی طرح گزر گئے اور اب ہجر و فراق کی طویل رات کا جان کاہ سفر درپیش ہے ہر آنکھ گریہ کناں ہر دل درد ہجراں سے بے تاب ہے بچھڑنے والوں سے زیادہ غمگین و غمناک الوداع کرنے والا قافلہ سالار اور جانی باپ ہے جس نے ماہر سنگ تراش کی طرح بے نام وادیوں کے بیکار پتھروں سے اپنی جھولی بھر لی پھر دس سال تک ان پتھروں کو تراش تراش کر ہیرا بنا دیا۔

دس سال جن کے ناز اٹھائے آج انہیں "خدا حافظ" کہتے ہوئے بھی کچھ دے کر ہی روانہ کیا جا رہا ہے۔ یہ دلگداز منظر کچھ اس طرح کا ہے۔ چند خوش رو و خوش گلو طلبہ (دارالعلوم محمدیہ غوثیہ) نے قصیدہ بردہ شریف پڑھا قبلہ استاد حافظ احمد بخش کی آواز گونجی

عزیز طلبہ اب حضور ضیاء الامت آپ سے خطاب فرمائیں گے۔

روداد محبت کیا کہئے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
دو دن کی مسرت کیا کہئے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
جب جام دیا تھا ساقی نے جب دور چلا تھا محفل میں
اک ہوش کی ساعت کیا کہئے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

بس اتنا یاد ہے کہ

ایک گلو گیر رندھی ہوئی اور بھرائی ہوئی آواز سامع نواز ہوئی۔

میرے شاہین ساتھیوں! خانہ بدوشوں کی طرح زندگی نہ گزارنا۔

جہاں جاؤ وہاں کی ضرورت بن جاؤ
جہاں جاؤ وہاں سے تمہارا جنازہ اٹھے تم نہیں

مادیت یعنی تنخواہ وغیرہ کی کمی کے باعث دین کی خدمت کے مرکز سے کبھی نہ جانا تم خلوص دل سے جس کے دین کی خدمت پر کمربستہ ہو وہ خزانہ غیب سے تمہیں اتنا عطا کرے گا جس کا تم نے کبھی سوچا بھی نہ ہو گا۔

میرے بیٹو! غور سے سنو! اور خوب غور سے سنو ہم نے تمہیں انگلی پکڑ کر چلنا سکھا دیا ہے اب تمہیں اپنی محنت اور ہمت سے دوڑنا ہے۔ کہیں تھک ہار کے پاؤں توڑ کر نہ بیٹھ جانا۔ منزل تمہارا انتظار کر رہی ہے اگر تم اسی عزم جواں کے ساتھ چلتے رہے تو اگلی صدی (اکیسوی صدی) تمہاری ہے یعنی دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کی ہے اس کے بعد

یاد نہیں ہے اب کچھ بھول گیاں ہوں سب کچھ

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ نصیحت کا ایک ایک جملہ تیر کی طرح دل میں ترازو ہوا جا رہا ہے۔ اور ایک ایک لفظ اپنی آغوش میں مچلتے ہوئے ارمانوں کا طوفان لئے ہوئے

ہے اور بیقرار تمناؤں کی کائنات سمیٹے ہوئے ہے آپ کے یہ چند جملے اپنے جلو میں کامیابی و کامرانی کی ضمانت لئے ہوئے ہیں۔ تو دوستو آؤ ان چند جملوں کو نصاب زندگی بنا لیں۔ نامرادیوں اور ناکامیوں سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا پالیں۔

خوش خلقی اور خوشامد

خوش خلق آدمی' انسانوں میں عظیم ہوتا ہے چونکہ بزم کائنات کے دولہا کو خالق کائنات کی طرف سے خوش خلقی کی سند بایں الفاظ عطا ہوئی۔انک لعلی خلق عظیم

تیرے خلق کو حق نے عظیم کہا تیری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہو گا شہا تیرے خالق حسن و ادا کی قسم
(اعلی حضرت بریلوی رحمتہ اللہ علیہ)

اگر کوئی آدمی علم و عمل اور مادیت کا سرمایہ دار تو ہو مگر خوش خلقی کے جوہر سے معرا ہو تو ایسا آدمی نہ صرف مخلوق میں مجروح و مقدوح ہوتا ہے بلکہ خالق کی نظر میں بھی مغضوب ہوتا ہے حسن خلق سے عاری آدمی کے رخ نامراد پر ہمہ وقت نحوست کے بھیانک سائے چھائے رہتے ہیں۔

حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ اپنے ہر شاگرد کو خوش خلقی اور خوشامد کا فرق سمجھاتے تھے۔

جب میں بھیرہ شریف سے لاہور روانہ ہوا تو آپ نے جانے سے پہلے ارشاد فرمایا

"خوش خلقی اور خوشامد میں خفیف سا فرق ہے
خوش خلقی اور خوشامد کا فرق ملحوظ رکھنا"۔

خوش خلقی کو خوشامد سمجھ کر تندرو اور بد خو نہ بن جانا ہر آنے اور جانے والے کا اس کی حیثیت و مرتبہ کے مطابق اکرام و احترام کرنا ملاقات کرنے والوں سے خشک مولوی کی بجائے دین اسلام کے سچے داعی اور صاحب حکمت مبلغ کی طرح گفتگو کرنا۔

دین کے اعزاز و اکرام اور مشن کی سربلندی کی خاطر کسی شخص کی دل سے تعریف و توصیف اور عزت و تکریم ہرگز ہرگز خوشامد نہیں۔

جو تمہاری جانب قدموں سے چل کے آئے تم پلکوں کے بل چلو جو ایک قدم آئے اس کی جانب سو قدم جاؤ۔ جو راہ وفا میں ایک دن ساتھ چلے تم زندگی بھر ساتھ چلو کیونکہ میرے رحیم و کریم رب کی یہی ادا ہے اور وہی آدمی سرفراز و سرخرو ہوتا ہے جو اس کی صفات سے متصف ہو جاتا ہے۔

بالفاظ اقبال؎

بندہ مولی صفات بن جاتا ہے

یہ تعلیم و تربیت تھی بھیرہ شریف میں آسودہ خاک اس پاکیزہ نفس جوہری اور زرگر کی جس کی نظر کیمیا اثر نے ہزاروں چاند ڈھال دیئے۔

ورنہ آج اس دنیا کے خراب خانے میں راہبر تو قدم قدم پہ دکان راہبری لگا کر بیٹھے ہیں مگر یہ بے تدبیرو بد سلیقہ راہبر راہبری تو کجا راہزن بننے کے بھی قابل نہیں ہیں۔ ساغر دیوانے نے راہزن کی ایک خوبی کی طرف کتنا اچھوتا اشارہ کیا ہے۔

تیز رو چلتے ہیں قافلے اس نام سے
ہمیشہ راہنما سے راہزن اچھا رہا
(ساغر صدیقی)

جہالت و شیطنت کے شکنجے میں جکڑے ہوئے مداری روحانیت کی تحریکیں چلا رہے ہیں۔ ڈالر اور پونڈ کے بھکاری جلب زر کے مکروہ دھندے میں مبتلا ہیں دیار افرنگ میں خواب خرگوش کے مزے لینے والے بے فیض لیڈر اسلامی انقلاب کی نوید سنا رہے ہیں۔

یا رب تیرے جہان کے کیا حال ہو گئے
کچھ لوگ خواہشات کے دلال ہو گئے

اوقات کی قدر و قیمت کا احساس

رات اور دن وقت سے عبارت ہے اور "وقت" اللہ کے بے بہا انعامات میں سے بہت بڑی نعمت ہے۔ اسی طرح "زندگی" بھی لمحات و اوقات کا مجموعہ ہے اور اس کا ایک ایک سانس قیمتی ہے۔

تو جن لوگوں نے زندگی اور وقت کی قدر پہچانی وہ قبلہ گاہ قلب و نظر ٹھہرے۔
اور جنہوں نے اپنے اوقات عزیز کو بے مقصد و بے مصرف بنایا انہیں وقت کی تندو تیز رفتار چکی نے پیس کر نیست و نابود کر ڈالا۔ اور نام و نشان مٹا دیا۔ سورہ "والعصر" میں بھی اسی وقت کی عظمت کی طرف اشارہ ہے۔
وقت اس تیز کٹاری کا نام ہے جسے اگر تم کام میں نہیں لاؤ گے تو یہ تمہیں پارہ پارہ کر کے گزر جائے گا۔ اور گزرا ہوا وقت کبھی بھی پلٹ کر نہیں آتا بس وہی لمحات حاصل زندگی ہوتے ہیں۔ جو بامقصد اور نفع خیز ہوں یعنی

وقت ہماں بود کہ بایار بسر شد

اسی لئے ہمارے اسلاف وقت کی قدر کرتے تھے اور اس کے ضیاع پر اشک بار ہو جاتے تھے۔

وقت کی قیمت

حضرت عامر بن عبد قیس سے کسی شخص نے کہا حضرت مجھ سے بات کیجئے۔ آپ نے فرمایا آپ سورج کی گردش کو روکیں پھر میں بات کروں گا اس نے کہا کہ سورج کی گردش نہیں رک سکتی۔ آپ نے فرمایا جو لمحات گزر جائیں گے انہیں کون واپس لائے گا اور جو وقت طاعت و عبادت سے خالی گزر گیا وہ خسارہ ہی خسارہ ہے۔

امام قاضی ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ اور وقت کی قدر

امام قاضی ابو یوسف حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد تھے۔ آپ تین عباسی خلفاء کے دور میں چیف جسٹس (قاضی القضاہ) رہے جب آپ قریب المرگ تھے کچھ علماء آپ کی عیادت کے لئے آئے تو آپ نے ان سے دینی مسائل پر گفتگو شروع کر دی علماء نے متعجب ہو کر کہا کہ اس حالت میں بھی مسائل پر گفتگو۔۔۔
آپ کی لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے نکلا کہ میں زندگی کے آخری لمحات فضول ضائع نہیں کرنا چاہتا۔
حضرت قاضی ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد قاضی ابراہیم بن جراح کوفی

عیادت کے لئے حاضر ہوئے تو امام کو بے ہوش پایا جب امام صاحب ہوش میں آئے تو کہا ابراہیم فلاں مسئلہ کس طرح ہے؟

میں نے کہا کہ اس حالت میں بھی مسائل دینیہ پر گفتگو امام نے کہا کہ میں ان قیمتی لمحات کو ضائع نہیں کرنا چاہتا میں دین کی تعلیم و تدریس میں جان دینا چاہتا ہوں پھر حج میں رمی جمار کا مسئلہ پوچھا میں نے جواب دیا تو آپ نے میرے جواب کی تصحیح کی میں اٹھ کر واپس آنے لگا آپ کے دروازے کی دہلیز پر ہی پہنچا تھا کہ آواز آیا کہ وہ چلے گئے رحمتہ اللہ علیہ

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اللہ تعالیٰ نے حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ کو اخلاف میں پیدا کر کے اسلاف کی بلند ہمتی اور سوز دروں نہایت فیاضی سے عطا کیا اس خاکدان گیتی پر تین قسم کے لوگ بستے ہیں۔

(1) عیاش یہ لوگ زندگی کو کھیل تماشا اور خورد و نوش کی نظر کر دیتے ہیں یعنی ان کا مقصد زندگی آمدند' خوردند' خورسند' خفتند اور مردند ہوتا ہے۔

(2) دوسری قسم ان خراب و خستہ حال تن آسان اور کم کوش لوگوں کی ہے جو زندگی کو اپنی مرضی سے بسر نہیں کر رہے ہوتے بلکہ زندگی انہیں گزار دیتی ہے۔

(3) تیسری قسم ان اصحاب عزم و ہمت کی ہے جنہیں وقت کا سورج سلام کرتا ہے اور وہ عمر عزیز کو حیات مستعار سمجھ کر اس سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں زندگی کے ایک ایک لمحے کی قیمت لگاتے ہیں بلکہ یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ یہ لوگ زندگی کو ایسے گزارتے ہیں جیسے گزارنے کا حق ہوتا ہے اسی لئے صدیوں کا سفر سالوں میں اور سالوں کا سفر مہینوں میں طے کر جاتے ہیں دراصل یہ لوگ لمحات زندگی کے قدر دان ہوتے ہیں۔

حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ بلاشبہ بلاکشان راہ عزم و وفا کے عظیم راہی تھے ۔ تبھی تو آپ نے اپنے عظیم اور کثیر الجہات مشن کو اپنی زندگی ہی میں شرمندہ تعبیر کر دیا وہ ایک منظم اور فعال جماعت کا کام نہایت خاموشی سے تنہا کر کے چلے گئے۔

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ کے تاریخ ساز ادارے سے لے کر جامعہ الکرم برطانیہ تک تعلیمی و تربیتی اداروں کی بہار ضیاء القرآن شریف، سنت خیرالانام، ضیاء النبی اور ضیائے حرم کے گوہر ہائے آبدار آستانہ عالیہ حضرت امیر السا لکین پیر امیر شاہ صاحب چشتی بھیروی کی گوناگوں ذمہ داریوں ستم رسیدہ مخلوق خدا کی دلداریاں، عبادت و ریاضت اور اوراد و وظائف میں باقاعدگی، تھکا دینے والی تعلیم و تدریس، وفاقی شرعی عدالت سے سپریم کورٹ تک داد و فریاد کی مصروفیات، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد سے لے کر جامعہ الازہر قاہرہ تک مختلف یونیورسٹیز میں خدمات --- ارشاد و تبلیغ کے لئے دورے --- اور کمال یہ کہ تمام مرید راضی ہیں ہر شاگرد خوش ہے۔ نہ اہل دعیال سے تغافل ہے اور نہ ہی اولاد کی تعلیم و تربیت سے تساہل ہے۔

ہر کام اپنے وقت پر ہو رہا ہے اور سلیقے سے ہو رہا ہے اور یہ سب کچھ اس دور میں ایک ہی آدمی کر رہا ہے۔ جب وقت بے برکت اور ابتر ہو گیا ہے یہ سب کچھ ایک ہی شخص کر گیا ہے مگر کیسے؟

شہر شاہ خوبان مدینہ منورہ میں ایک پاکستانی صحافی نے انٹرویو کرتے ہوئے پوچھا تھا کہ اتنا وسیع کام اس عمر میں تنہا آپ نے کیسے کر لیا تو حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ نے ایک شعر میں اس کا جواب دیا تھا اور وہ شعر یہ تھا۔

اے شمع تجھ پہ یہ رات بھاری ہے جس طرح
میں نے ساری عمر گزاری ہے اس طرح

آپ نے اپنے آہنی عزم اور عمل پیہم سے علم و عرفان کی دنیا میں ایسے ایسے عظمتوں کے کوہ و جبل کھڑے کر دیئے ہیں جنہیں دیکھ کر وقت کے کوہ پیماؤں کے ماتھے پر پسینے آ جائیں گے۔ اور آپ عظمت و شرافت کے ایسے بلند مینار تعمیر کر گئے ہیں جن کی چوٹیوں کو دیکھنے والی آنکھیں واماندگی و درماندگی کا شکوہ کریں گی

جب تک زندگی نے آپ سے وفا کی آپ نے بھی زندگی سے وفا کرنے کا حق ادا کر دیا اور عمر عزیز کے ایک ایک لمحے کا قرض چکا دیا۔

میرے چارہ گر کو نوید ہو صفِ دشمناں کو خبر کرو
وہ جو قرض رکھتے تھے جان پر وہ حساب ہم نے چکا دیا

گزرے ہوئے وقت پہ اشکباریاں

حیات فانی کے لمحات رفتہ پہ نادم و شرمسار ہوتے تو بہت دیکھے ہیں مگر ضائع شدہ لمحات پر آنسو بہانے والے کم ہی نظر آئے ہیں۔

صاحبزادہ حاجی حفیظ البرکات شاہ صاحب بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر میں دو گھنٹے بس لیٹ ہو گئی۔ حضرت ضیاء الامت ان دو گھنٹوں کے ضائع ہونے پر اشکبار ہو گئے اور بارگاہ رب العزت میں گریہ کناں عرض کرنے لگے میرے مالک تیرے بندے سے کیا خطا ہو گئی ہے کہ میری زندگی کے دو قیمتی گھنٹے ضائع ہو گئے۔

آپ یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے۔

اوقات ہماں بود کہ بایار بسر شد
باقی ہمہ بے حاصلی و بے خبر دی و شرمندگی است

اور ایک ہم ہیں کہ عمر رواں کی پونجی سر راہ لٹ گئی۔ دامن زندگی میں خیر و فلاح کے سوا سب کچھ لے گئے اشک ندامت تو کیا بہتا کف افسوس ملنے کی بھی توفیق نصیب نہ ہوئی۔

ایک وہ شخص کہ زندگی میں دو گھنٹوں کے ضیاع پر لالہ زاریاں۔۔۔ اور --- ایک ہم کہ متاع حیات لٹنے پر بھی گرم گفتاریاں

واہ۔۔۔۔وہ۔۔۔۔آہ۔۔۔۔ہم

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

یا

اس کا دکھ نہیں کہ بے حس ہو گئے ہم
دکھ تو یہ ہے کہ احساس بے حسی بھی نہیں

محمد کرم شاہ پیر محمد کرم شاہ کیوں؟

مسافران راہ حق گم گشتگان وادی ضلالت و غوایت کی راہبری و راہنمائی کرنے والے کو "پیر" کہتے ہیں یعنی "پیر" وہ ہوتا ہے جو صاحب علم و عمل، صاحب نظر و بصر اور صاحب کردار ہو۔ پیر ذات سے نہیں صفات سے پہچانے جاتے ہیں۔ ہر پیر کے لئے عالم دین ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ جسم کے لئے روح اور پھول کے لئے خوشبو کا ہونا ضروری ہے۔

جیسے کاغذی پھول نظروں کے لئے دھوکہ اور فریب ہوتا ہے۔ اور جیسے بے روح جسم رزق خاک ہوتا ہے۔ ایسے ہی بے عمل پیر جیتے جی جہالت کی قبر میں دفن ہوتا ہے۔ دیکھنے والوں کو اس پر پیر ہونے کا دھوکہ ہوتا ہے اسی پر علامہ اقبال نے کہا تھا۔

خدا وندا تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
سلطانی بھی عیاری ہے درویشی بھی عیاری

اگر ہم الٹے پاؤں لوٹ کر دیکھیں اور تاریخ کا صرف ایک ورق الٹیں تو پتہ چلتا ہے کہ جتنے آستانے اور خانقاہیں ہیں ان میں بیٹھنے والے علم و عمل کے شاہباز تھے۔ ہمہ وقت ان کے حجروں سے قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں گونجا کرتی تھیں۔ جاہل آتے تھے۔ علم کی دولت سمیٹ کر جاتے تھے۔ بھوکوں کو کھانا ملتا تھا۔ گناہ آلود زندگی لے کر آتے تھے۔ صاف ستھرے ہو کر جاتے تھے۔ مگر اب

دل کا نگر کہ ویران ہوا
ایسا اجڑا کہ نہ بستے دیکھا

اب کہاں اشک ندامت ساغر
آستینوں کو ترستے دیکھا

فلک بے پیر کی ستمگریاں دیکھئے جن کے آباؤ اجداد علم و عمل کے آفتاب و ماہتاب تھے اور جن کی وجہ عزت و شرف علم ہی تھا آج وہ اپنے سروں پر جہالت کی دستاریں بڑے فخر سے سجائے بیٹھے ہیں کل تک جن گلزاروں سے بہاریں ابلتی تھیں۔ آج وہاں خاک اڑ رہی ہے ان بزرگوں کی اولادیں علم دشمنی یا نفرت میں اس قدر آگے

کل تک جن بزرگوں کے نام کے ساتھ

"مولانا علامہ مولوی کے عزت ماب القابات تھے۔ وہاں صرف ۔۔۔ خواجہ ۔۔۔ پیر وغیرہ القابات رہ گئے اور آج تک یہ روش جاری ہے ۔۔۔ خدا جانے یہ احساس کمتری ہے۔ یا علم دشمنی ہے۔ یا جہالت نوازی ہے۔

کل تک جنہیں چھو نہیں سکتی تھی فرشتوں کی نظر
آج وہ رونق بازار نظر آتے ہیں

کہیں ایسا تو نہیں کہ حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ بھی علم گریز رویہ رکھتے تھے۔ اور اپنے نام کے ساتھ علامہ مولانا مولوی جیسے القابات ناپسند کرتے تھے۔

بھلا وہ شخص ان عظیم القابات سے نفرت کیوں کرنے لگا جو اپنے نام کے ساتھ اگر اہتمام سے کوئی لقب یا لاحقہ استعمال کرتا ہے تو وہ ہے۔ "مسکین"

واقعہ

ایک مرتبہ آپ بیرون ممالک کے سفر سے واپس تشریف لائے تو میں بھی ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو آپ نے روئداد سفر سناتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس دورے میں ایک شعر حاصل دورہ ہے۔ اور وہ نعت کا شعر ہے۔

تیری نسبت نے سنوارا میرا انداز حیات
میں اگر تیرا نہ ہوتا سگ دنیا ہوتا

یہ 28 ستمبر 1994ء کا واقعہ ہے میرے ہاتھ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" تھا میں نے آگے کر کے عرض کیا کہ یہ شعر اس پر تحریر فرما دیں۔ فرمایا آپ لکھیں میں دستخط کر دیتا ہوں۔ میں نے شعر لکھا۔ اور آپ نے اس پر کچھ اس طرح دستخط فرمائے۔ آپ بھی پڑھئے۔

تحفہ از مسکین محمد کرم شاہ
بخدمت عزیز ارجمند مولانا خان محمد قادری
محمد کرم شاہ

آپ اس لقب سے گریز کرتے تھے جس سے تکبر و غرور کی بو آتی ہو مگر آپ

مصلحتاً" اپنے نام کے ساتھ پیر محمد کرم شاہ لکھتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ فی زمانہ پیر صاحبان کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ یہ لوگ عمل سے محض کورے ہوتے ہیں یعنی جہالت ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ اپنے نام کے ساتھ "پیر" کا لاحقہ استعمال کر کے پیر صاحبان کا دفاع کرتے تھے کہ یہ خیال غلط ہے کہ سب پیر جاہل ہوتے ہیں۔ معرکہ الاراء "تفسیر ضیاء القرآن" سیرت النبی کا شاہکار "ضیاء النبی" اور سینکڑوں علماء کا استاد محمد کرم شاہ بھی تو "پیر" ہے۔

پیر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی پیروں سے دردمندانہ اپیل

حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت شمس الحق والدین مولانا شمس الدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی پر "ماہنامہ ضیائے حرم" کے زیر اہتمام حضرت شمس العارفین نمبر شائع فرمایا تھا۔ اداریہ کے اختتام پر سجادہ نشین حضرات کو مخاطب کر کے تحریر فرماتے ہیں۔

آخر میں ایک ادنیٰ گزارش پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کسی ولی کامل کے سجادہ نشین کی ذمہ داریاں بڑی اہم اور متنوع قسم کی ہوتی ہیں عقیدتمندوں کی اپنے شیخ کے جانشین سے بڑی توقعات وابستہ ہوتی ہیں وہ اپنے نجی اور اجتماعی' مقامی اور ملکی' دینی اور سیاسی معاملات میں اس سے راہنمائی کی توقع رکھتے ہیں اس لئے صاحب سجادہ کے لئے ضروری ہے کہ علم و فضل میں بھی بلند پایہ رکھتا ہو۔ اور اخلاق و کردار میں بھی مثالی حیثیت کا مالک ہو اس لئے حضرات سے درخواست ہے کہ اپنی صوری یا معنوی اولاد میں سے جس فرزند کو وہ اپنی جانشینی کے لئے منتخب فرماویں۔ اس کی تعلیمی اور اخلاقی تربیت کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرماویں۔ وہ قدیم و جدید علوم کا ماہر ہو مشہور عالم یونیورسٹیوں کا فاضل ہو' اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا اخلاق و کردار اتنا بلند ہو کہ کوئی بدخواہ بھی انگشت نمائی نہ کر سکے۔

ایسے ہونہار سپوت ہی اس پر فتن دور میں فقر و درویشی کی شمع کو روشن رکھ سکتے ہیں علامہ نے سچ فرمایا ہے۔

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے انداز خسروانہ

مخالفین اس سلسلہ کو باوجود بڑی کوشش کے نہ نقصان پہنچا سکے اور نہ آئندہ پہنچا سکیں گے۔

ہمیں جو نقصان پہنچایا ہے۔ جاہل اور کمزور کردار کے مالک متصوفین (پیروں) نے پہنچایا ہے۔

(ماہنامہ ضیائے حرم)
(شمس العارفین نمبر)

احساس زیاں

آج ہم اپنے درخشاں ماضی سے بے خبر تباہ حال۔ حال سے آنکھیں بند کئے ہوئے خوفناک مستقبل سے بے بصر خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں۔ ہمارے ساتھ ہمارا نصیب بھی سویا چاہتا ہے۔ خانقاہیں اجڑ رہی ہیں مدارس ویران ہو رہے ہیں مسجدیں مرثیہ خواں ہیں۔

ایک طرف مادیت کے خوفناک اور مہیب سائے منڈلا رہے ہیں تو دوسری جانب بدعقیدگی اور بے حیائی کی دیوی سر کھولے سربازار رقص کر رہی ہے جبکہ ارباب حق و صداقت مزاحمت و مقابلہ کی بجائے شیشے کے گھروں میں بیٹھ کر یہ سمجھ رہے ہیں کہ پتھر نہیں آئے گا۔

بدعقیدگی اور بے حیائی کی خوفناک آگ کے شعلوں سے اپنی خانقاہوں اور مدارس و مساکن کو بچانے کی بجائے آنکھیں موندلی ہیں کہ اس آگ مین دنیا جلے گی لیکن ہم محفوظ رہیں گے۔ حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ شمس العارفین نمبر کی اشاعت کا مقصد بیان کرتے ہوئے نوحہ کناں ہیں۔

اسلام کے مخالف اور بدخواہ تو اس طوفانی قوت کا اندازہ کر کے لرزہ براندام ہیں جو تصوف کے چشمہ شیریں سے ملت کو حاصل ہوتی ہے۔ ادھر ہم ہیں کہ احساس کمتری میں مبتلا ہیں اور شکوک و شبہات کے خس وخاشاک سے اس چشمہ صافی کو گدلا کرنے

کے درپے ہیں۔

تحریک پاکستان میں صوفیاء کرام نے جو شاندار کردار انجام دیا ہے یہ تو کل کی بات ہے اس کا کون انکار کرسکتا ہے۔

عصر حاضر مادیت گزیدہ ہے ہر شخص مادی ثروت مادی لذتوں اور مسرتوں اور مادی جاہ و منصب کے حصول کے لئے دیوانہ وار مصروف عمل ہے۔ اس دور میں اسے اس کی قطعا" کوئی پرواہ نہیں کہ پاکیزہ اخلاقی قدریں کس طرح پامال ہو رہی ہیں روحانیت کا رخ زیبا کیونکر مسخ ہو رہا ہے اور دل کی دنیا طمع و حرص اور حسد و بغض کی آلائشوں سے کس قدر متعفن ہو رہی ہے اگر یہ دیوانگی ہمیں کسی اچھے انجام سے دوچار کر دیتی تو ہم قطعا" اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کرتے لیکن ہم کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ہم بڑی سرعت سے زوال و انحطاط کے گڑھے کے قریب ہوتے جا رہے ہیں اور یہ ایسا گڑھا ہے جس میں جو قوم گری ہے پھر اسے ابھرنا نصیب نہیں ہوا

ملت کے بہی خواہوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی جملہ علمی روحانی اور عملی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنی ملت کو اس گڑھے میں گرنے سے بچائیں اس کا موثر ترین طریقہ یہ ہے کہ ان پاکیزہ فطرت ہستیوں کی زندگی کا مرقع زیبا پیش کریں جہاں للہیت' خلوص' قناعت' استغنا' عالی حوصلگی' جرات سخاوت' اور ہر انسان سے بے پناہ ہمدردی کے انوار قلب و نظر کو روشنی بخش رہے ہیں۔ اور یہ ساری خوبیاں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ صوفیاء کرام کی سوانح حیات میں ہی دستیاب ہو سکتی ہیں۔

اسی فرض کی ادائیگی کے احساس نے مجھے مجبور کیا ہے کہ اپنے نوجوانوں کی خدمت میں اس یگانہ روزگار درویش اس فقید المثال مرد حق سراپا نور و ضیاء مرشد و ہادی کی سیرت طیبہ کے چند دلنواز پہلو پیش کر کے ان وارفتگان حسن غیر کو یہ کہہ کر جھنجھوڑ سکوں!

اے تماشا گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا می روی

اس کے علاوہ میرے اس اقدام کا محرک ایک جذبہ بھی ہے جو میرے نزدیک بڑی

اہمیت کا حامل ہے۔ وہ یہ کہ جو حضرات اس مسلک درویشی سے منسلک ہیں انہیں ایک سچے درویش سے متعارف کراؤں تاکہ انہیں پتہ چلے کہ اس کی اخلاقی بلندیوں اس کی روحانی رفعتوں اس کے کردار کی پختگی اور اس کے حوصلوں کی جولانیوں کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ جب وہ مرید ہوتا ہے تو کسی حیرت انگیز لگن استقامت اور اولوالعزمی سے سلوک کے مدارج طے کرتا ہے اور جب وہ مسند ارشاد کو زینت بخشتا ہے۔ تو کس دلسوزی اور یکسوئی سے بادیہ ضلالت میں سرگرداں رہنے والوں کی دست گیری کر کے انہیں واصل بحق کرتا ہے اس کی پاک زندگی کے دونوں حصے عمل پیہم اور سعی مسلسل سے عبارت ہوتے ہیں سستی اور کاہلی اس کے قریب تک نہیں پھٹکتی۔

اس کا ظاہر اور باطن محبت الٰہی کے رنگ میں رنگا ہوتا ہے اور اس کے قول اور عمل میں تضاد کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا تاکہ اکابر اولیاء کرام کے سجادہ نشین حضرات اپنے اسلاف کرام کے اسوہ حسنہ سے کسب فیض کر کے اسی جواں ہمتی بالغ نظری کا ثبوت دیں اور اپنی تمام توانائیاں اسلام کو سربلند کرنے کے لئے وقف کر دیں۔

(ادارہ شمس العارفین نمبر)

(ماہنامہ ضیائے حرم)

ولی را ولی می شناسد

ماہنامہ "ترجمان اہلسنت کراچی فروری 1983ء میرے پیش نظر ہے جس میں غزالی دوراں حضرت قبلہ علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمتہ اللہ علیہ (ملتان) کا انٹرویو موجود ہے جس کا عنوان ہے۔

"غزالی زماں علامہ احمد سعید شاہ صاحب کاظمی آنسوؤں کی زبان میں آپ سے مخاطب ہیں۔ ترجمان اہلسنت کے صحافی لکھتے ہیں کہ جماعت اہلسنت کے انتشار کے بارے میں ہمارے سوال کا جواب دیتے ہوئے غزالی زماں نے ارشاد فرمایا۔

"ذی شعور راہنما' ذی اثر علماء آج علیحدہ علیحدہ حصوں میں تقسیم ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے اہلسنت کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے یہ شیرازہ اسی صورت میں اکٹھا کیا جا سکتا ہے جب تمام اکابرین اہلسنت خصوصاً" علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری جیسی شخصیت جو کہ

ہمارے لئے نہایت ہی محترم ہے ہماری قیادت کرتی۔ کاش ایسے حضرات ہماری قیادت کریں اور ان احباب کی سرپرستی میں ہم ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اپنی عظمت رفتہ کو پا سکیں۔

آپ نے کہا کہ علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری صاحب اور مولانا مفتی محمد حسین نعیمی جیسے ذی شعور با صلاحیت اور ذی اثر علماء کو اس کلم کا بیڑا اٹھانا چاہئے تاکہ ہم سب مل کر ان کے دوش بدوش چل سکیں۔ اور ہم میں اجتماعیت کی روح پیدا ہو۔

علامہ کاظمی صاحب جب یہ الفاظ ادا کر رہے تھے تو ان کی آواز لڑکھڑا گئی میں نے نظر اٹھائی تو آنسوؤں میں ڈبڈبائی آنکھیں کسی گہرے دکھ کا پتہ دے رہی تھیں اور تھوڑی ہی دیر بعد ان آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ ان پر ایک جذباتی کیفیت طاری ہو گئی وہ بار بار پیر محمد کرم شاہ الازہری کو پکارنے لگے۔

اور جب میں نے بتایا کہ میں ان کا مرید ہوں اور آپ کا پیغام ان تک پہنچادوں گا آپ اور بھی بے اختیار ہو گئے اٹھ کر مجھے اپنے بازوؤں میں لے لیا اور میری پیشانی چومنے لگے۔

ایک اور سوال کے جواب میں آپ نے کہا کہ علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری وفاقی شریعت عدالت کے جج بننے کے اہل تھے اور ہمیں اس پر فخر ہے ہمیں خوشی ہے کہ انہوں نے حکومت کے انتظامی معاملات میں نہیں بلکہ عدلیہ میں شمولیت اختیار کی ہے۔

(ترجمان اہلسنت کراچی فروری 1983ء)(انٹرویو۔ محمد زاہد رفیق)

حضرت غزالی زماں رحمتہ اللہ علیہ کے آہوں اور سسکیوں سے بھرے ہوئے انٹرویو پر مزید تبصرہ کی چنداں ضرورت نہیں۔

لیکن حضرت غزالی زماں کی بصیرت کو خراج تحسین پیش کرنے کو جی چاہتا ہے کہ جماعت اہلسنت کی شیرازہ بندی کے لئے جس شخصیت کا تعین انہوں نے فرمایا تھا آخر اتحاد و اتفاق کا سہرا اسی شخصیت کے سر سجا تمام اہلسنت نے حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ کو سنی سپریم کونسل کا چیرمین منتخب کیا اور آپ نے اہلسنت کے بکھرے)ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرو دیا۔

اس طرح حضرت غزالی زماں کا خواب شرمندہ تعبیر ہو گیا خدا کرے یہ اتحاد سلامت رہے (آمین)

بڑی مشکل سے منوایا گیا ہوں

کچھ حضرات کو چاند پر تھوکنے کی عادت یا لت ہوتی ہے اور انہیں اپنی آنکھ کے شہتیر تو نظر نہیں آتے مگر آدھی رات کے اندھیرے میں بھی دوسروں کی آنکھ کے تنکے صاف سوجھائی دیتے ہیں۔ ان کے فکر و نظر کے پیمانے سارے زمانے سے جدا ہوتے ہیں ان کے نزدیک حق وہ ہوتا ہے جسے یہ حق بولیں۔ ان کے من میں آئے تو دن کو رات کہہ دیں اور جی میں آئے تو بہاروں کو خزاں فرما دیں۔ ترنگ میں آ جائیں تو زاغ و زغن کے حسن آواز و انداز پہ قصیدے پڑھیں اور غزل پہ غزل کہتے چلے جائیں اور اگر مزاج بگڑے تو بلبل و چمن کے حسن صد رنگ میں ہزاروں عیب نکال کر رکھ دیں ستم یہ ہے کہ یہ جنس نامراد عام یاب ہے انہیں جہاں ڈھونڈو گے پالو گے۔

کبھی تو یہ منبرو محراب میں تن کے بیٹھے ہوتے ہیں اور کبھی ادیب و صحافی بن کے بیٹھے ہوتے ہیں یہ جتنے ہیں اور جہاں ہیں دو باتوں پر متحد و متفق ہیں۔

(1) اتحاد و اتفاق دشمنی میں ایک ہیں

(2)انتشار و افتراق کی آگ بھڑکانے میں مشاق ہیں

یہ وہ ناعاقبت اندیش گروہ ہے جو بیگانوں کو اپنا بنانے کی صلاحیت سے تو محروم ہے ہی مگر ستم یہ ہے کہ اپنوں کو بیگانہ بنانے کا مکروہ دھندہ پورے انہماک و طمطراق سے کر رہا ہے۔ شیشے کے گھر میں بیٹھ کر حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ کی عظمت کے پرشکوہ آہنی محل پر بھی سنگ زنی کرتا رہا ہے۔

مگر تقدیر کے قاضی کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ انتشار و افتراق کے چولہے کی آگ بھڑکانے والے اور پھونکیں مارنے والے کے نصیب میں روسیاہی ہو گی اور راہروان حق و صداقت کے نصیب میں سرفرازی و سربلندی ہو گی۔

جاء الحق وزهق الباطل

حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ صبر و استقامت کا کوہ گراں تھے عفوو درگزر

ان کا ماٹو تھا۔ ان کا اختلاف و اتفاق للّٰہ اور فی اللّٰہ تھا اور یہی ایک مرد مومن کا شیوہ ہے۔ وہ اللہ کے برگزیدہ بندوں میں سے تھے ہر صاحب بصیرت و بصارت آدمی ان کی خدمات کا اقراری ہے اور ان سے محبت کرتا ہے۔ تحریک پاکستان کے عظیم سپاہی مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی سے انٹرویو میں پوچھا گیا کہ موجودہ دور میں آپ کس آدمی سے متاثر ہیں تو انہوں نے کہا کہ میں پیر محمد کرم شاہ صاحب سے متاثر ہوں وہ صحیح کام کر رہے ہیں۔

(ماہنامہ سوئے حجاز)

(لاہور)

ریاست بہاولپور کے معروف عالم دین حضرت مولانا محمد نواز اویسی رحمتہ اللہ علیہ (رحیم یار خان) سے میری آخری ملاقات ان کی علالت کے دوران ہوئی انہوں نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے فرمایا۔

"اہلسنّت کی آخری امید اور سہارا حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری صاحب کی علمی تحریک ہے اللہ اس شمع کو تا ابد روشن رکھے"

ص 1997ء میں مدرسہ انوار العلوم (ملتان) کے سالانہ جلسہ پر ریاست بہاول پور کے سب سے بڑے خطیب' عالم اور صاحب نسبت بزرگ عالم مولنا خورشید احمد فیضی سے بزرگوں کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی تو فرمانے لگے کہ ہمارے کچھ دوست قبلہ پیر صاحب کو پہچاننے میں خطا کر گئے ہیں۔

قبلہ پیر صاحب صاحبِ مقام ولی ہیں

ایک وقت تھا کہ ہمارے کچھ احباب جنہوں نے قبلہ پیر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا بھی نہ تھا آپ کے بارے میں بے سروپا گفتگو کو باعث ثواب تصور کرتے تھے اور حضرت ضیاء الامت سے ملنے والوں کی راہ میں روڑے اٹکانے کو دینی فرض سمجھتے تھے اور پھر ایسا وقت بھی آیا کہ وہ بزرگ پیر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے فیوض و برکات سے استفادہ کے لئے بے چین و بے قرار ہوتے تھے۔

ہر کوئی ہم سے ملا عمر گریزاں کی طرح
وہ تو جس دل سے بھی گزرا وہیں گھر کر آیا

یا

ہم سے سارے زمانے کو اختلاف
تم پہ ساری خدائی نثار ہے۔

زر خالص سے بھی خالص شخصیت

مرحوم صدر جنرل ضیاء الحق نے مشائخ و علماء کنونشن میں برملا کہا تھا کہ پاکستان میں دو شخصیتیں ایسی ہیں کہ اگر انہیں سونے سے بھی تولا جائے تو کم ہے۔ ایک شخصیت حضرت غزالی دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی کی ہے اور دوسری شخصیت حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب کی ہے۔

صدر جنرل محمد ضیاء الحق اکثر علماء و مشائخ سے مل چکے تھے اور پوری چھان پھٹک کے بعد اس نے اس سچائی کا اظہار کیا تھا۔

جگر مراد آبادی نے سچ کہا ہے۔

صداقت ہو تو دل سینوں سے کھنچنے لگتے ہیں واعظ
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

اتحاد امت کے لئے بیقراریاں

اتحاد امت کے لئے بیقراریاں:

یہ ایک بڑی دل خراش اور روح فرسا حقیقت ہے کہ مرور زمانہ سے اس امت میں بھی افتراق وانتشار کا دروازہ کھل گیا ہے۔ جسے واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولاتفرقو کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ امت بھی بعض خود غرض اور بد خواہ لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے متنازع گروہوں میں بٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ اور جذبات میں آئے دن کشیدگی اور تلخی بڑھتی جا رہی ہے۔ اس پراگندہ شیرزاہ کو یکجا کرنے کا یہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ انہیں قرآن حکیم کی طرف بلایا جائے اور اس کی تعلیمات کو

نہایت شائستہ اور دل نشین پیرایہ میں پیش کیا جائے پھر ان کی عقل سلیم کو اس پر غور و فکر کی دعوت دی جائے ہمارا اتنا ہی فرض ہے۔

اور ہمیں یہ فرض بھی دلسوزی سے ادا کرنا چاہئے اس کے بعد معاملہ خدائے برتر کے سپرد کر دیں وہ حی و قیوم چاہے تو انہیں ان شبہات اور غلط فہمیوں کی دلدل سے نکال کر راہ ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس باہمی اور داخلی انتشار کا سب سے المناک پہلو اہلسنت والجماعت کا آپس میں اختلاف ہے۔ جس نے انہیں دو گروہوں میں بانٹ دیا ہے۔ دین کے اصولی مسائل میں دونوں متفق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید ذاتی اور صفاتی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت' اور ختم نبوت' قرآن کریم' قیامت اور دیگر ضروریات دین میں کلی موافقت ہے۔ لیکن بسا اوقات طرز تحریر میں بے احتیاطی اور انداز تقریر میں بے اعتدالی کے باعث غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور باہمی سوء ظن ان غلط فہمیوں کو ایک بھیانک شکل دے دیتا ہے۔

اگر تقریر' تحریر میں احتیاط واعتدال کا مسلک اختیار کیا جائے اور اس بدظنی کا قلع قمع کر دیا جائے تو اکثر و بیشتر مسائل میں اختلاف ختم ہو جائے اور اگر چند امور میں اختلاف باقی رہ بھی جائے تو اس کی نوعیت ایسی نہیں ہو گی۔ کہ دونوں فریق عصر حاضر کے سارے تقاضوں سے چشم پوشی کئے آستینیں چڑھائے لٹھ لئے ایک دوسرے کی تکفیر میں عمریں برباد کرتے رہیں۔

ملت اسلامیہ کا جسم پہلے ہی اغیار کے چرکوں سے چھلنی ہو چکا ہے۔ ہمارا کام تو ان خونچکاں زخموں پر مرہم رکھنا ہے۔ ان رستے ہوئے ناسوروں کو مندمل کرنا ہے اس کی ضائع شدہ توانائیوں کو واپس لانا ہے یہ کہاں کی دانشمندی اور عقیدت مندی ہے کہ ان زخموں پر نمک پاشی کرتے رہیں اور ان ناسوروں کو اور اذیت ناک اور تکلیف دہ بناتے رہیں۔

میں نے پورے خلوص سے کوشش کی ہے کہ ایسے مقامات پر افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اپنے مسلک کی صحیح ترجمانی کر دوں جو قرآن کریم کی آیات بینات احادیث

صحیحہ یا امت کے علماء حق کے ارشادات سے ماخوذ ہے۔

تاکہ نادان دوستوں کی غلط آمیزیوں یا اہل غرض کی بہتان تراشیوں کے باعث حقیقت پر جو پردے پڑ گئے ہیں وہ اٹھ جائیں اور حقیقت آشکارا ہو جائے .بفضلہ تعالیٰ اس طرح بہت سے الزامات کا خود بخود ازالہ ہو جائے گا۔

اور ان لوگوں کے دلوں سے یہ غلط فہمی' دور ہو جائے گی۔ جو غلط پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ واقعی ملت کا ایک حصہ شرک سے آلودہ ہے یا ان کے اعمال اور مشرکین کے اعمال میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ خداوند کریم ہمارے حال زار پر رحم فرمائے اور دلوں کو حسد اور نفرت کے جذبات سے پاک کر کے ان میں محبت و الفت پیدا فرمائے۔وهو علی كل شئی قدیر (مقدمہ ضیاء القرآن ص 10)

اس اقتباس کو پڑھنے کے بعد تفسیر ضیاء القرآن کے وجود میں آنے کا مقصد ظاہر و باہر ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ کہ یہ تفسیر صاحب تصانیف کثیرہ بننے یا مفسر قرآن اور مفکر اسلام کہلانے کے شوق میں نہیں لکھی گئی اور نہ ہی کسی خاص تنظیم کی فکری نشوونما اور راہنمائی کے لئے یہ عظیم کام سرانجام دیا گیا ہے بلکہ حضور ضیاء الامت نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری امت کے لئے یہ چشمہ آب حیات رواں کر دیا ہے - جسے پڑھنے سے عقیدہ و عمل کو تازگی اور نئی زندگی نصیب ہوتی ہے۔ اس میں باہمی مناظرہ اور مجادلہ کے شعلے نہیں بلکہ جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم ہے۔ ایک ایک لفظ آب کوثر سے دھلا ہوا ہے ایک ایک سطر توحید کے نور اور عشق نبی سے بھرپور ہے۔ انوار قرآن کی کرنیں بکھیرنے والا کوئی بے عمل واعظ اور شعلہ نوا خطیب نہیں بلکہ عزم و عمل کا پہاڑ ہے اور اعتدال جس کا جادہ و منزل ہے امت مسلمہ کے زخمی جسم کے ناسوروں اور زخموں پہ مرہم رکھنا اور اس کی روحانی امراض کا مداوا کرنا مقصود اولین ہے۔ اس تفسیر میں علم کے بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک حسین مالا میں پرو دیا گیا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف کو ایک مفکر یا

سکالر بن کر نہیں بلکہ ایک نباض اور مشفق طبیب بن کر ترتیب دیا ہے جس کا کام اولاً" مریض کے مرض کی تشخیص کرنا اور پھر نہایت ہمدردی سے علاج و مداوا کرنا ہوتا ہے حضرت پیر صاحب کی تفسیر "ضیاء القرآن" سے سیرت النبی "ضیاء النبی" تک ایک ایک لفظ ایک ایک سطر ایک ایک صفحہ چیخ چیخ کر اپنے حکیم و طبیب کا پتہ دے رہا ہے۔ پوری کتاب پڑھ جائیں ایک ایک لفظ کی تلاشی لیں ریاء اور دکھاوے کا نشان تک نہیں ملتا

شہرت طلبی اور جلب زر کی خواہش سے دامن آلودہ نہیں ہوا تمام کتاب کا مطالعہ فرمالیں۔

ایسے لگتا ہے جیسے کوئی عجز و نیاز کا حسین پیکر اپنی تمام نیاز مندیوں کے ساتھ اپنے بے نیاز قادر و کریم کی دہلیز پر غزالی و رازی رومی و جامی کی قطار میں رضائے حبیب کا طلب گار ہے۔ تفسیر ضیاء القرآن کے ایک حصہ کی تکمیل پر بارگاہ لم یزل میں اظہار تشکر و امتنان کا انداز ملاحظہ فرمائیں۔

"اے میرے کریم! اس بندہ حقیر کے دل میں کبھی یہ خیال بھی نہیں آیا تھا کہ تو اسے اپنی اس کتاب منیر کی خدمت کی سعادت بخشے گا۔ یہ ناکارہ خلائق اس قابل کب تھا اس بے علم اور نادان میں یہ اہلیت کہاں تھی۔

اے میرے بندہ نواز! اسے محض تیرا کرم نہ کہوں تو اور کیا کہوں۔

اے میرے رحیم! آج میرا قلب حزین جذبات مسرت سے سرشار ہے یہ اس لئے کہ تیری شان رحمت نے اسے اپنے الطاف بے پایاں سے نوازا ہے۔ کسی استحقاق کے بغیر یہ نوازشات خسروانہ! انہیں محض تیرا کرم نہ کہوں تو اور کیا کہوں! میرے رحمن! مجھ بے نوا اور اس بے کس کے پاس نہ تو دامن تھا اور نہ حوصلہ طلب۔ تیری شان رحمانیت نے مجھے دامن بخشا اور حوصلہ طلب بھی۔ اس بے نوا اور اس بے کس پر یہ عنایت اسے محض تیرا کرم نہ کہوں تو اور کیا کہوں! اے میرے رحمن میرے رحیم! میرے کریم! اس ناکارہ خلائق کی ایک اور التجا ہے پہلے کی طرح بغیر کسی استحقاق کے بغیر کسی وجہ کے محض اپنے کرم سے اسے بھی شرف پذیرائی بخش "وہ یہ کہ بھلا نہ دیا

جاؤں"

تیری محبت سے میری شمع حیات روشن رہے۔۔۔ تیری بندگی کا نشان میری جبین پر ہمیشہ تابندہ رہے۔۔۔ تیرے پیارے حبیب کے عشق سے میرا حریم دل منور رہے۔۔۔ تیرے حبیب مکرم کی غلامی کا طوق زیب گلو رہے۔

ہوائے خلعت شاہی ندارم
بگردن حلقہ طوق غلامی

ترجمہ:۔ مجھے شاہی پوشاک کی ضرورت نہیں بس میری گردن میں اپنی غلامی کا طوق ڈال دے (قادری)

خاک راہ صاحبدلاں
ابوالحسنات محمد کرم شاہ
من علماء الازہر الشریف

اب ذرا سیرت شاہ لولاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر موجودہ صدی کے سب سے بڑے شاہکار "ضیاء النبی" کے آغاز سے قبل کی دعا اور ساتھ ہی حروف آغاز کو پڑھیں ایک ایک لفظ سے عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فوارہ وار پھوٹ رہا ہے اور ایک ایک جملہ صدا دے رہا ہے کہ جا اینجا است

دعا

الٰہی! جو شان، جو فضل و کمال جو حسن و جمال، جو صوری محاسن اور معنوی خوبیاں تو نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو عطا فرمائی ہیں ان کا صحیح عرفان اور پہچان بھی نصیب فرما اور ان کو اس طرح بیان کرنے کی توفیق مرحمت فرما جس کے مطالعہ سے تاریک دل روشن ہو جائیں مردہ روحیں زندہ ہو جائیں، ذوق و شوق کی دنیا آباد ہو جائے جہاں غفلت کی تاریکیاں پھیلی ہوئی ہیں وہاں تیرے ذکر پاک اور تیرے محبوب مکرم کی مبارک یاد کی قندیلیں فروزاں ہو جائیں۔
آمین ثم آمین بجاہ طٰہٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

غبار راہ طیبہ

محمد کرم شاہ

(ضیاء النبی)

یکم رمضان المبارک 1403ھ

بروز دو شنبہ 13 جون 1983ء قبل از افطار صوم

عرض و نیاز جس کا مداح اور ثناخواں خود اس کا پروردگار ہے قرآن کریم کے صفحات جس کی عظمت و بزرگی کے ذکر سے جگمگا رہے ہیں۔ سارے جہانوں کا خداوند ذوالجلال والاکرام جس پر صلوۃ و سلام کے بیش بہا موتیوں کی بارش برسا رہا ہے ملاء اعلی کے نوری فرشتے جس پر ہر لحظہ درود و تحیات کے مہکتے پھول نچھاور کر رہے ہیں۔

جس کے خلق کو اس کے خالق نے عظیم کہا۔

جس کے اسوہ کو اس کے رب نے حسین فرمایا

زبان قدرت نے جس کو رحمت للعالمین فرما کر اپنی ساری مخلوق سے روشناس کرایا جو بلا امتیاز سب کا تھا اور تا ابد سب کا رہے گا۔

لیکن بیماروں اور رنجوروں ' ناداروں اور بیکسوں' خستہ حالوں اور شکستہ دلوں' خطاکاروں اور عصیاں شعاروں پر اس کا سحاب لطف و کرم جب برستا ہے تو اس کی ادا ہی نرالی ہوتی ہے۔

مطلع رشد وہدایت پر جس کا آفتاب رسالت' نور افشانی کر رہا ہے اور تا ابد کرتا رہے گا۔ جس کے بحر جود و سخا کی خنک اور شیریں موجیں' تشنگان' ہر دو عالم کو سیراب کر رہی ہیں اور تا ابد سیراب کرتی رہیں گی۔

جس کے در رحمت پر صدا لگانے والا فقیر نہ کبھی خالی لوٹا ہے نہ قیامت تک کوئی خالی لوٹے گا۔

اے سلطان حسینان جہاں!

اے سرور اورنگ نشینان عالم!

ایک مفلس و کنگال منگتا' خالی جھولی لے کر تیرے حسن و جمال کی خیرات لینے کے لئے حاضر ہے اور ایک ادنی سا ارمغان عقیدت و محبت پیش کرنے کا آرزو مند ہے۔

اے میرے ذرہ پرور آقا! از راہ بندہ نوازی اسے قبول فرمائیے اور اپنے اس حقیر سے غلام کے دامن تہی کو اپنے سچے عشق اور پکی غلامی کی نعمت عظمیٰ اور دولت سرمدی سے بھر دیجئے۔

وصلی علیک اللّٰہ یا خیر خلقہ
ویا خیر مامول ویا خیر واہب
ویا خیر من یرجی لکشف رزیہ
ومن جودہ قدفاق جود السحائب
واجود خلق اللّٰہ صدرا" ونائلا"
وابسطھم کفا علی کل طالب

(ماخوذ از طیب النغم مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ)

غبار راہ طیبہ
مسکین محمد کرم شاہ
(ضیاء النبی)

شب دو شنبہ 25-جماد الثانی 1413ھ
21- دسمبر 1992ھ

دلداریاں

تنگدستی اور خوشحالی قدرتی تقسیم ہے امیری اور فقیری بھی فطرت کے فیصلے ہیں جس کی حکمتیں خالق و مالک خوب جانتا ہے۔

حسبی و نسبی تفاوت کے باوجود ہر انسان آدم کی اولاد ہے اس لحاظ سے آدمیت ایک ہی کنبہ اور گھرانہ ہے اور اس گھرانے کی خشت اول حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام ہیں۔ اس بنا پر باہمی اعزاز و احترام لازمی امر ہے اسی لئے اقبال نے یہ پیغام پورے زور و شور سے دیا تھا۔

آدمیت احترام آدمی
باخبر شو ازمقام آدمی

مگر ہم نے اپنے ہی بھائی بندوں کے درمیاں نفرت کی دیواریں کھینچ دی ہیں۔
جھوٹے اور خود ساختہ مقام و مرتبہ کے تحفظ کے لئے حدود فاصل قائم کر دی ہیں۔
اپنے کالے کرتوتوں کو چھپانے کے لئے ہم نے "پروٹوکول" کی اصطلاحیں گھڑلیں ہیں ظاہر و باطن میں تضاد کی وجہ سے اندر سے کھوکھلے اور بزدل ہو چکے ہیں اپنی کمین گاہوں کا نام خلوت خانہ رکھ لیا ہے ہم نے اپنے اندر محمدیت پیدا کرنے کی بجائے فرعونیت کو پالا ہے۔ محمدیت کے دسترخوان پہ صدیق و فاروق اعظم اور عبدالرحمن و عثمان کے ساتھ بلال و بوذر اور زیدو سلمان بھی دوش بدوش نظر آتے ہیں مگر ہمارے دسترخوان پر نواب زادے زردار و سرمایہ دار ہیں اور بس۔
انسانوں کے قحط میں عشق و محبت اور اخلاق محمدی ﷺ کا ایک ایسا سرمایہ دار بھی تھا تا دم زیست جس کی رہائش کا تاج محل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ کا بغیر برآمدہ کے خستہ حال حجرہ تھا جس حجرے کی کل کائنات ایک چارپائی جائے نماز اور مطالعہ کے لئے ایک سادہ سی میز کرسی اور بس جس کے دروازے پر زندگی بھر نہ کوئی پہریدار رہا نہ دربان نظر آیا۔ ملک کی سب سے بڑی عدالت (سپریم کورٹ) کی کرسی سے لے کر حضرت امیر السالکین کی سجادہ نشینی تک فائز رہے مگر آمدورفت تنہا تنہا نہ بندوق برداروں کی فوج ساتھ ہے اور نہ ہی پروٹوکول کے جھمیلے ہیں۔ لاکھوں جلسوں سے خطاب فرمایا مگر نعروں کی گونج اور ہا ہا واہ واہ سے سدا بے نیاز رہے۔ محافل و مجالس کی جان رہے مگر نہ کبھی تصویر کھنچوانے کی آرزو ہوئی نہ اخبارات و جرائد میں ان رہنے کی خواہش کی یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ قدرت نے انہیں وہ مقام عطا کیا تھا جس کے سامنے یہ خواہشیں ہیچ تھیں۔
جس نے ہاتھ ملایا پوری توجہ سے ملایا جسے دیکھا مسکرا کر دیکھا دنیا نے دیکھا کہ وقت کے حکمرانوں نے ان کے ہاتھ کے بوسے لئے مگر انہوں نے غریب الدیار اور بے کس طلبہ کی پیشانیوں کو چوما۔

ایک دیوانہ

بسا اوقات آپ مطالعہ میں مصروف ہوتے یا سبق پڑھا رہے ہوتے تھے اور

سلطان محمود جو دیوانگی کی حد تک پہنچا ہوا تھا اور آپ کی بھینسوں کی نگہداشت کرتا تھا بھینسوں کو کوئی بیماری لگتی چارے وغیرہ کا مسئلہ ہوتا یا کوئی بھینس دودھ نہ دیتی وہ ساری شکایتیں پیر صاحب کو لگاتا ایک دن قبلہ پیر صاحب بخاری شریف پڑھا رہے تھے کہ نیچے سے زور زور سے سلطان محمود کی آوازیں آنے لگیں۔ حضرت صاحب او مجھ (بھینس) دودھ نہیں دیندی کوئی چیز دم کر دیو۔ یہ جملے دہراتا ہوا سلطان محمود حجرے کے اندر آگیا حجرے میں موجود تمام طلبہ اور لوگ غصے سے لال پیلے ہوئے جا رہے تھے کہ یہ آدمی نہ تو حضرت صاحب کے آداب کا خیال رکھتا ہے نہ وقت دیکھتا ہے۔ نہ تعلیم کا خیال آتا ہے۔ آسمان سر پر اٹھائے چلا آتا ہے۔ پوری بزم میں ایک چہرہ ہے جس پہ غصے کے آثار نہیں ہیں بلکہ دیوانے کی دیوانگی سے محظوظ ہو رہے ہیں اور مسلسل مسکرا رہے ہیں۔ اپنی مخصوص علاقائی زبان میں اسے پاس بلایا ساتھ بٹھایا باتیں کرتے رہے۔ مکمل تسلی کی پھر کہا۔

ہُن اجازت اے سبق پڑھائیے۔ سلطان محمود جواباً" کہتا ہے۔ پڑھا لوو۔

بابا باقر

یہ بابا جی مہمان خانے کے خدمت گار اور مسجد حضرت امیر السالکین کے مؤذن تھے بڑے ہی نازک مزاج تھے۔ بڑھاپے کی وجہ سے آواز و آہنگ بے ترتیب ہو چکا تھا مگر یہ کسی دوسرے کی اذان کبھی برداشت نہیں کرتے تھے اگر کوئی دوسرا اذان دے دیتا تو ان کا جھگڑا قبلہ پیر صاحب سے ہوتا تھا۔ اگر لنگر شریف سے کسی مہمان کا کھانا زیادہ لیٹ ملتا تو بابا باقر مسلسل شکایت لگاتے اور بولتے چلے جاتے اور قبلہ پیر صاحب مسکراتے رہتے۔۔۔۔ پیار کی گستاخیاں بڑے ہی پیار سے سنتے نہ کبھی روکا نہ کبھی ٹوکا۔۔۔ یہ دیوانے قبلہ پیر صاحب کے حسن اخلاق پہ مرمٹے تھے شدید بیماری کی وجہ سے اولاد گھر لے جاتی مگر یہ ساری پابندیاں توڑ کر پھر بھیرہ شریف پہنچ جاتے۔

ایک نیم معذور اور بے باک بھکاری

ایک کمزور جسم نیم معذور اور گستاخانہ حد تک بے باک بھکاری تھا جو اکثر دارالعلوم میں آتا تھا۔ اس کی زبان صاف نہ تھی دارالعلوم میں داخل ہوتے ہی زور

زور سے آوازے لگاتا۔۔۔ او ۔۔۔ مولویو!۔۔ کرم شاہ کتھے؟ جب سیڑھیوں پر پہنچ جاتا تو ڈائریکٹ ڈائلاگ شروع کر دیتا۔۔ او کرم شاہ ۔۔۔ او کرم شاہ۔۔۔ روٹی کھوا۔۔۔(یعنی روٹی کھلا)

پیر صاحب اس کی باتیں سن کر برا منانے کی بجائے مسکرا دیتے کم از کم پچاس روپے ضرور عطا فرماتے۔ کھانا کھلاتے۔۔۔ اور کبھی کبھی فرمائش کرتا کہ میری حجامت کرواؤ۔۔۔ پیر صاحب اس کی یہ فرمائش بھی پوری کرتے وہ لڑکھڑاتا اور مسکراتا اپنے آپ سے باتیں کرتا دارالعلوم سے چلا جاتا۔

حضرات پھولوں سے ہر کوئی پیار کرتا ہے مزا تو تب ہے کہ کوئی کانٹوں سے بھی پیار کرے۔

ہم نے تو کانٹوں کو بھی نرمی سے چھوا ہے
لوگ بے درد ہیں پھولوں کو مسل دیتے ہیں

بہاول پور کا یادگار سفر

خلیفہ مختار احمد صاحب بتاتے ہیں کہ سردیوں کا موسم تھا ہم بہاول پور کے لئے بذریعہ ٹرین روانہ ہوئے میرے پاس ایک چادر تھی جبکہ حضرت صاحب کے پاس ایک کمبل تھا جب رات کو سردی تیز ہوئی تو میں نے اپنی چادر تہہ کر کے حضرت صاحب کے نیچے بچھا دی اور ساتھ ہی اپنی جھولی بچھا دی حضرت صاحب میری جھولی میں سر رکھ کر سو گئے۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد آپ اٹھ بیٹھے اور فرمایا مختار احمد اب تو سو جا۔۔ میں نے انکار کیا آپ نے سختی سے اصرار کیا ساتھ ہی فرمایا کہ میں بیٹھتا ہوں۔ تم میری جھولی میں سر رکھ کر سو جاؤ۔۔۔ میں ادب کی وجہ سے انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔۔۔ اقرار سے میری جان جاتی تھی۔۔ میں آپ کے حکم پہ عمل کرنے کے لئے آپ کی جھولی میں سر رکھ کر سمٹ کر سو تو گیا مگر مجھے نیند کیسے آتی۔ میں شرم سے پانی پانی ہوا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ کچھ دیر کے بعد میں اٹھ کر بیٹھ گیا آپ نے نہایت ہی شفیق اور کریم باپ کی طرح مجھے اپنے کمبل میں لے لیا اور اپنے ساتھ چمٹائے رکھا۔

وہ کرم نوازیاں اور عنائتیں آج بھی میری زندگی کا سرمایہ ہیں۔

غمگساریاں

حضرت مولانا سعید احمد صاحب حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ کے ان خوش بخت مریدوں اور شاگردوں میں سے ہیں جنہیں زندگی کا کثیر حصہ قبلہ پیر صاحب کی معیت میں گزارنے کا شرف حاصل ہے۔ بلکہ قبلہ حضرت صاحب کی اکثر تحریروں کی کتابت کا شرف بھی انہیں ہی حاصل ہے۔ سرکاری اور غیر سرکاری طور پر بھی آپ حضرت قبلہ پیر صاحب کے پرسنل اسسٹنٹ رہے ہیں۔

علامہ سعید احمد صاحب بیان فرماتے ہیں کہ میری بچی کی پیدائش کا مرحلہ تھا۔ اور یہ وقت رات کا تھا جبکہ ہر کوئی محو خواب تھا۔ میرے گھر پہ پریشانی بنی ہوئی تھی اس تکلیف میں کچھ بھی سوجھائی نہیں دیتا تھا۔ اچانک سحری کے وقت یعنی بوقت تہجد دروازہ بجا۔۔۔ میں نے کہا خدا خیر کرے۔۔ اس وقت کون آیا ہے۔۔ دروازہ کھولا تو حضرت ضیاء الامت کے گھر سے مائی صاحبہ تشریف لے آئیں۔۔ ان کی آمد پر میں حیران رہ گیا۔۔۔ مائی صاحبہ نے فرمایا کہ حضرت صاحب نے خواب میں آپ کو پریشان دیکھا ہے اس لئے مجھے بھیجا ہے کہ آپ پتہ کریں۔

سعید صاحب! گھر تو خیریت ہے میں نے نہایت ادب سے عرض کیا اور تو سب خیریت ہے۔ بچے کی پیدائش کا مرحلہ ہے۔ یہی پریشانی ہے۔ فرمایا آپ نہ گھبرائیں اللہ تعالی بہتری فرمائے گا۔۔۔ سعید صاحب فرماتے ہیں کہ میں حیران تھا کہ میری پریشانی کی انہیں کیسے خبر ہو گئی؟

اگر معاملہ میری پریشانی اور آپ کے خواب کا تھا تو صبح کا انتظار تو فرمایا ہوتا اور خود تشریف لاتے مگر چونکہ معاملہ میری بیوی کا تھا اس لئے اسی وقت مائی صاحبہ کو روانہ فرمایا۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا کہ۔

"مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"

ویسے تو گداؤں کو بادشاہ نوازتے رہے ہیں مگر جس انداز سے حضرت ضیاء الامت کرم نوازیاں کرتے رہے ہیں اس کی مثال تاریخ میں کم ہی ملے گی۔

سعید صاحب فرماتے ہیں کہ میرے گھر بچی پیدا ہوئی۔ میں نے عرض کی حضور!

کوئی نام تجویز فرمائیں۔۔ یہاں تک کہ چار ماہ کے بعد بچی کا نام تجویز فرمایا۔ تشریف لائے اور تحائف بھی عطا فرمائے۔

اساتذہ کی عید پہ عید

عید کے موقع پر آپ فرداً فرداً جملہ اساتذہ کرام کے گھر تشریف لے جاتے اور انہیں حسب منشا عیدیاں عطا فرماتے اور چھوٹوں بڑوں کو عید مبارک کہتے یہی انداز کرم تھا جس کی وجہ سے ناگفتہ بہ حالات میں بھی دارالعلوم کے اساتذہ نے حضرت صاحب کے مشن کا جھنڈا سرنگوں نہیں ہونے دیا۔

واہ --- تیرے انداز کرم

ملک عطا محمد صاحب کی بھینس مر گئی غریب کی مرغی مر جائے تو اسے نیند نہیں آتی اور گھر کا سارا ماحول افسردہ رہتا ہے چہ جائیکہ بھینس مر جائے تو صف ماتم کیوں نہ بچھے سارا گھر افسردہ۔۔ ملک صاحب سمیت گھر کے تمام افراد اس ناقابل تلافی نقصان پر غمزدہ تھے۔ حضرت صاحب کو پتہ چلا تو آپ نے لنگر شریف کی ایک قیمتی بھینس کھولی اور خود ہی ملک صاحب کے گھر لے گئے۔ یہ دیکھ کر سب لوگ حیران رہ گئے حضرت صاحب نے خود بھینس پکڑ رکھی ہے اور فرماتے ہیں کہ آپ غمزدہ نہ ہوں یہ بھینس آپ کی ہے۔

حضرات! غمزدوں کے پاس افسوس کرنے ہر کوئی آتا ہے مگر غموں اور دکھوں کا بوجھ آدمی کو خود ہی اٹھانا ہوتا ہے۔ گرنے والوں پہ افسوس ہر کوئی کرتا ہے اٹھانے کی ہمت کوئی کوئی کرتا ہے۔

میں گرا تھا تو بہت لوگ رکے تھے لیکن
سوچتا یہ ہوں کہ آئے تھے اٹھانے کتنے؟

خادمہ یا بیٹی

اپنے لئے ہر کوئی جیتا ہے اپنے اور اپنی اولاد کے بہتر مستقبل کے لئے ہر ماں باپ فکر مند ہوتے ہیں اور اس "نفسی نفسی" کے دور قیامت خیز میں تو بھائی بھائی کا گلا

کاٹ رہا ہے۔۔ دوستیاں دشمنی میں بدل رہی ہیں ایک انسان دوسرے انسان کے خون کا پیاسا ہے۔۔ احساس و مروت کا جنازہ اٹھ گیا ہے اولاد اور ماں باپ کے مقدس رشتے کو مادیت کی دیمک چاٹ گئی ہے۔ جس دور میں اپنے پاؤں جل رہے ہوں دوسروں کے پاؤں تلے سیج کون بچھاتا ہے۔ یہ سن کر آپ کو حیرت ہو گی کہ حضرت صاحب کے گھر میں ایک نیم پاگل عورت اور اس کی بیٹی خدمت کرتی تھیں۔ بسا اوقات وہ بچی قبلہ پیر صاحب کا کھانا لے کر بھی آتی تھی۔ جب بچی جوان ہو گئی ماں دیوانی تھی بچی کے بارے میں ماں کو سوچنا تھا لیکن یہاں ہوش سنبھالتے ہی بچی کو اپنے ساتھ ماں کا بوجھ بھی اٹھانا پڑ گیا۔

جس دنیا میں اچھے خاصے کھاتے پیتے گھرانوں کی بچیوں کو والدین کے گھر کی دہلیز پر سروں میں چاندی اتر آئے۔

وہاں غربت و افلاس کی بے رحم چکی میں پسنے والے والدین بچیوں کے ہاتھ پیلا کرنے کا سوچ کر ہی کانپنے لگتے ہیں۔

اور جس کا زمین و آسمان کے بیچ میں کوئی بھی نہ ہو اسے کون پوچھتا ہے۔

مگر اس صاحب کردار کی عظمت کو سلام۔۔۔ جو عمر بھر ہزاروں، لاکھوں آدمیوں کے دکھ بانٹتا رہا خود بے چین و بے قرار رہ کر ہزاروں افراد کو چین کی دولت بخش گیا۔ میاں محمد بخش علیہ الرحمہ نے کتنا حقیقت پسندانہ اور سچا نقشہ کھینچا ہے۔

اوکھے ویلے کاری آوے چنگیاں دی اشنائی
اڑیا! آکھن دی لج پالن جوانسان وفائی
جو دنیا اتے کم نہ آیا اوکھے سوکھے ویلے
اس بے فیضے سنگی کولوں بہتر یار اکیلے
عیشاں، خوشیاں موجاں اندر ہر کوئی یار کہاندا
سنگی سو جو تنگی تک کے نیڑے پنجھال دکھاندا

حضرت ضیاء الامت سے جس نے بھی سنگت لگائی آپ نے نبھانے کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے اس بچی کو اپنی بیٹی بنا لیا۔ لیکن ساری دنیا کو پتہ تھا یہ لڑکی لنگر شریف

میں نوکرانی ہے۔ اگر آپ بھی چاہتے تو اسے کسی بے ڈھنگے ان پڑھ آدمی کے سر تھونپ دیتے مگر لجپال ہمیشہ لجپال ہوتے ہیں۔

حضرت ضیاء الامت نے اس بچی کے لئے ہمارے ایک کلاس فیلو اور پیر بھائی مولانا محمد صدیق (آف پھترندی پنڈدادنخان ضلع جہلم) کا انتخاب کیا۔

جو خوب صورت اور خوب سیرت تعلیم یافتہ اور بلند قامت بانکے نوجوان عالم دین ہیں اس نوجوان کو بھی سلام عقیدت پیش کرنے کو جی چاہتا ہے جس نے حضور ضیاء الامت کے محض اشارہ ابرو پر اپنی بلند و بالا شخصیت آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دی اس فرخندہ بخش بچی کی ڈولی اس شان سے حضور ضیاء الامت کے گھر سے اٹھی جیسے واقعی غریب نواز کے جگر کا ٹکڑا جدا ہو رہا ہو۔۔ گویا ہماری اس بہن کا سسرال تو دریائے جہلم کے پار ہے مگر ماں باپ بھیرہ میں جلوہ فرما ہیں۔

مولانا محمد صدیق صاحب انتہائی قابل رشک حد تک خوش و خرم زندگی گزار رہے ہیں وقت نے ثابت کر دیا ہے کہ حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ کا فیصلہ کتنا درست تھا۔

جن کا کوئی نہیں ہوتا
ان کا میری جان! خدا ہے

جو داستان ہم نے اپنی سنائی آپ کیوں روئے؟

اس بزم کرم میں اپنے بیگانے بھی آئے اور دیوانے فرزانے بھی آئے۔ ساقی بقدر ظرف سب کو عطا فرماتا لیکن ہر شخص یہ سمجھتا کہ آج نظر التفات صرف مجھی پر ہے۔ میں بھی یہی کہا کرتا ہوں کہ مجھ پر نظر کرم کچھ اور ہی تھی جب بھی ملنا مسکرا کے ملنا۔ اور ان کی ایک ہی پر خلوص مسکراہٹ سارے غموں کا مداوا ہوتی تھی۔

ہمیں بھی تو نے کبھی مسکرا کر دیکھا تھا
تیری نظر کا وہ قرض آج تک ادا نہ ہوا

آپ مجھ ناکارہ خلائق پر خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ اور اس ذرہ بے مقدار کو حیثیت سے بڑھ کر نوازتے۔۔ میرے جیسے پست ہمت اور کم حوصلہ لوگوں کی کچھ اس

طرح حوصلہ افزائی فرماتے کہ ذروں میں آفتاب بننے کی خواہش انگڑائیاں لینے لگتی

ہم بے نیام تلوار ٹھہرے

واہ کینٹ (راولپنڈی) کی شاہی جامع مسجد میں خطیب کی ضرورت تھی جنرل طلعت مسعود صاحب حضرت ضیاء الامت سے متاثر تھے انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ اس عظیم جامع کے لئے پیر صاحب کا ہی کوئی شاگرد موزوں رہے گا۔

اساتذہ کرام نے کمال شفقت سے میرا نام پیش فرما دیا میں بھی بہت خوش تھا کہ یہ فیصلہ ہر لحاظ سے بہتر تھا لیکن جب یہ تجویز حضرت صاحب کی خدمت میں پیش ہوئی آپ نے بیک جنبش قلم اس تجویز کو مسترد کر دیا اور فرمایا۔

"خان محمد قادری میری بے نیام تلوار ہے۔ میں اسے نیام میں نہیں ڈالنا چاہتا"۔

حوصلہ افزائی کا ایک اور انداز

میں ملکوال ضلع منڈی بہاؤالدین مرکزی جامع مسجد میں خطیب تھا۔ ستائسویں رجب شریف تھی اور اس رات دارالعلوم محمدیہ غوثیہ دربار حضرت امیر السالکین ہر سالانہ محفل معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منعقد ہوتی ہے۔

میں نے یہ رات میانوالی جلسہ کے لئے دے رکھی تھی جب اپنی گاڑی پہ ملکوال سے روانہ ہوا تو دل نے کہا کہ پہلے حضرت صاحب کی زیارت کروں گا پھر میانوالی چلا جاؤں گا جب میں القمر ہوسٹل پہنچا تو قبلہ حضرت صاحب بابو غلام مرتضیٰ صاحب کے ہمراہ الفرید آڈیٹوریم کا نظارہ فرما رہے تھے۔

میں حاضر خدمت ہوا ہمیشہ کی طرح نہایت شفقت فرمائی اور پوچھا کہاں کی تیاری ہے میں نے عرض کی کہ حضور! میانوالی جا رہا ہوں۔۔۔ بابو صاحب جھٹ سے بولے حضور! یہ اپنا جلسہ چھوڑ کر میانوالی جا رہے ہیں۔ وہاں سے انہیں پیسے ملیں گے ناں! ابھی بابو غلام مرتضیٰ صاحب کی تقریر جاری تھی کہ حضرت صاحب نے مجھ غریب کو اپنی بانہوں میں لے لیا اور فرمایا "میرا قادری شیر اے"

پھر فرمایا کہ اگر وعدہ کیا ہوا ہے تو ضرور جاؤ مزید پوچھا کہ وہاں کوئی اور عالم دین بھی تشریف لا رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا نہیں حضور! میں اکیلا ہوں ایک مرتبہ پھر

اپنے پہلو میں لے کر فرمایا۔

"میرے شیر کے ہوتے ہوئے کسی کی کیا ضرورت ہے"

آپ کی حسین حیات میں ہم میں کوہ و جبل سے ٹکرانے کا حوصلہ تھا لیکن اب ان کے پردہ فرمانے کے بعد ہم تنکوں کی طرح بہہ گئے ہیں۔ تسبیح کے سارے دانے بکھر گئے ہیں اور ایسے لگتا ہے جیسے دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کے شاہین صفت فضلاء نے آپ کے بعد اپنے آپ کو حوادث زمانہ کے رحم و کرم پہ چھوڑ دیا ہے۔ یعنی

تجھ سے بچھڑ کے ہم بھی مقدر کے ہو گئے

پھر جو بھی در ملا ہے اسی در کے ہو گئے

اب ان پریشان دانوں کو ایک تسبیح میں پرونے کی جتنی ذمہ داری حضرت صاحبزادہ پیر محمد امین الحسنات صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت امیرالسالکین کی ہے اتنی حضور ضیاء الامت کی روحانی اولاد کی بھی ہے ہم سب مل کر آپ کے مشن کی اپنے خون جگر سے آبیاری کریں اور اپنے اپنے حصے کا فریضہ پوری تندہی اور جانکاہی سے ادا کریں۔

انہیں ہاتھ اٹھا کے دعائیں دے

بھیرہ شریف حاضر ہونے سے پہلے میں پڑھتا تو بہاول پور تھا لیکن آٹھویں دن مرکزی مسجد لیاقت پور (ضلع رحیم یار خان) میں جمعہ پڑھانے جاتا تھا۔ جب دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کا سودا دل میں سمایا تو بہاولپور والوں نے بھی روکا اور لیاقت پور والوں نے بھی منتیں کیں کہ اتنی دور نہ جا۔ یعنی آنکھ سے دور نہ ہو دل سے اتر جائے گا لیکن عشق منہ زور ہوتا ہے سچ کہا ہے کسی نے

تمام عمر تیرے درد محبت نے مجھے

کسی سے دل نہ لگانے دیا گلستان میں

ہرجائی معشوق کی طرح سب سے واپسی کا وعدہ کر کے راہی بزم کرم ہوا میں تو صرف تین سال کے لئے بھیرہ شریف آیا تھا مگر ان کے پیار کے جال کے حلقے اتنے مضبوط تھے کہ واپسی کا راستہ ہی بھول گیا۔

طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا
اپنی منقاروں سے کس رہے ہیں ہر حلقہ جال کا

یا

نگری نگری پھرا مسافر گھر کا راستہ بھول گیا

جب سلسلہ تعلیم مکمل ہوا تو جن جن سے وعدے کئے تھے وہ سب لوگ یکے بعد دیگرے لینے کے لئے آنے لگے یہاں تک کہ بہاول پور کے دوستوں کے اصرار پر میں واپس جانے کے لئے تیار ہو گیا لیکن آخری فیصلہ حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ نے کرنا تھا۔ مجھے شام کے وقت پیغام ملا کہ رات کو حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہونا ہے۔ قریباً" آدھی رات ڈھلی تو مجھے آپ کے حجرے شریف میں بلایا گیا۔ پہلے تو آنے والوں کا مدعا بتایا اسی اثنا میں آپ کی گلاب آنکھوں کے سرخ ڈوروں میں آنسو تیرنے لگے" اور بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا۔

تو نئیں چاہندا کہ تیری ٹھنڈی ہوا مینوں وی لگدی رہے

ترجمہ:- کیا تو نہیں چاہتا کہ تیری ٹھنڈی ہوا ہمیں بھی محسوس ہوتی رہے۔ یہ الفاظ نہیں تھے۔ درد کے تیر تھے جو میرے کلیجے کو چیر کر پار ہو گئے۔ بہاول پور والا خان محمد قادری اسی دن مر گیا۔ ان کی ایک نگاہ کرم کے بدلے اپنی ساری زندگی کا سودا کر دیا۔ ان کے قدموں میں ان کی خواہش کے مطابق مرنے اور جینے کی قسم کھالی۔

ہم نے بھی ٹھانی ہے یہیں مر جانے کی
واہ کیا بات ہے تیرے میخانے کی

ہمہ حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا؟

ملکوال کے دوستوں کو بھی میرے واپس جانے کی تیاریوں کی خبر ہو گئی وہ بھی حضرت ضیاء الامت کی خدمت میں وفود کی شکل میں آنے لگے ایک دن آپ نے کچھ احباب سے فرمایا کہ بھائی آپ لوگ کوشش کریں کہ قادری صاحب کی اس علاقے میں شادی ہو جائے ورنہ ایک نہ ایک دن یہ یہاں سے چلا جائے گا۔

جو تم نے کہا وہی تقدیر کا لکھا نکلا

احباب نے اپنے طور پر کوششیں شروع کر دیں گھر والوں نے اپنے علاقہ کو ترجیح دی مگر وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ میرے محسن و مشفق استاد ملک محمد بوستان صاحب پر خلوص کوشش اور سلسلہ جنبانی سے بھیرہ شریف کے انتہائی قابل احترام اور معزز خاندان --- خاندان بگویہ میں بات چل نکلی۔۔۔ بگویہ خاندان علمی طور پر ایک صدی تک پاک و ہند کے اکثر علاقوں پہ راج کرتا رہا ہے۔ اس خاندان کے جد اعلیٰ حضرت شمس العارفین خواجہ شمس الدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے تھے علمی طور پر قادیانیت اور رافضیت کے خلاف ہند میں اس خاندان کا جاندار اور شاندار کردار رہا ہے۔ وہابیت کے خلاف بھی فیصلہ کن معرکے سر کیے ہیں۔

علمی طور پر اس خاندان کا پایہ اس قدر بلند تھا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے بعض فتاویٰ پر ان کے تصدیقی دستخط آج بھی ثبت ہیں۔

حضرت مولانا محمد ذاکر بگوی کا حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے اختلاف اور پھر اتفاق بھی مشہور ہے۔ قبلہ پیر صاحب کی سوانح حیات "مہر منیر" میں درج ہے میرے سسر صاحب حضرت علامہ حکیم برکات احمد بگوئی صاحب رحمہ اللہ علیہ کے اباؤ اجداد کے علاوہ آپ کے سسر مولانا حبیب اللہ امرتسری کے خطوط اور سوالات حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کے نام پیر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب "سیف چشتیائی" میں موجود ہیں موجودہ دور میں بھی جناب حضرت حکیم برکات احمد بگوی صاحب بھیرہ شریف میں اہلسنّت کا نفس ناطقہ اور محافل کی جان رہے ہیں بھیرہ شریف میں تمام دینی جلسے اور جلوس میں اکثر صدارت وہی کرتے تھے۔ پھر حضور ضیاء الامت سے ان کی انتہائی قریبی دوستی اور روابط تھے۔ اور ان کے عظیم پس منظر کی وجہ سے حضور ضیاء الامت ان کی حد سے زیادہ عزت افزائی اور احترام فرماتے تھے۔

اس لئے اس عظیم گھرانے میں رشتہ کی بات میرے لئے ایک خوش گوار حیرت اور اعزاز کی بات تھی۔

مگر اب مشکل یہ تھی کہ اتنی بڑی ذمہ داری کون اپنے سر لے اور اس کو نبھائے

حضور ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ اس مشکل کو آسان فرما سکتے تھے مگر آپ کی زندگی گواہ ہے آپ ایسے معاملات میں دخل دینے کے ہرگز روادار نہ تھے۔

میں نے محترم استاد ملک محمد بوستان صاحب کی فہمائش سے اپنے بزرگوں کو پیر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے نام سے اس حد تک تو مکمل راضی کر لیا کہ اب میرا رشتہ آپ کی نہیں قبلہ پیر صاحب کی مرضی سے ہو گا میرے دوست اور پیر بھائی مختار احمد خلیفہ کی خصوصی کاوش سے معاملہ بانجا رسید کہ حضرت قبلہ پیر صاحب ایک باپ اور سرپرست کی حیثیت سے حضرت حکیم برکات احمد بگوی صاحب کے گھر تشریف لے گئے حکیم صاحب نے اپنے گھر والوں سے مشورہ فرمایا تو انہوں نے کہا کہ اگر قبلہ پیر صاحب نے یہ فیصلہ کر دیا ہے تو مزید تحقیق و تفتیش کی ضرورت نہیں ہمارے لئے یہی بہتر ہو گا۔ حکیم صاحب نے جب میرے والدین کے بارے میں دریافت کیا اور خاندانی پس منظر وغیرہ پوچھا تو قبلہ پیر صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا "خان محمد قادری صاحب کا باپ محمد کرم شاہ اور آپ کی بیٹی بھی میری بیٹی ہے۔ یعنی کمال شفقت سے میرے جیسے ناکارہ خلائق انسان کی ذمہ داریاں اپنے سر لے لیں مجھے ناز ہے کہ میرے دین اور دنیا کے اہم فیصلے حضور ضیاء الامت کے دست کرم سے انجام پذیر ہوئے۔

برطانیہ جانے کی خواہش

ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ حضور مجھے لندن بھجوا دیں فرمایا "پہلے تیری شادی کریں گے پھر باہر بھجوا دیں گے شادی ہو جانے کے بعد میں نے وعدہ یاد دلایا تو فرمانے لگے پہلے اولاد پھر باہر کا سفر

پھر کافی دیر اولاد کی محبت کی تاثیر بتاتے رہے اور فرمایا کہ جب بندہ سارے دن کے کام سے تھکا ہارا گھر کی دہلیز پہ قدم رکھتا ہے۔ اور بچے دوڑ کر استقبال کرتے ہیں ہاتھ تھام لیتے ہیں کاندھوں پر سوار ہو جاتے ہیں سینے پر چڑھ جاتے ہیں ساری تھکاوٹ کافور ہو جاتی ہے اس لئے پہلے بچے ہوں گے پھر آپ کو باہر بھیجوں گا میرے گھر اللہ تعالیٰ نے بیٹی عطا فرمائی۔ تو نام رکھنے کے سلسلے میں حاضر ہوا۔ تھوڑی دیر سوچ کے فرمایا "آمنہ" نام مجھے بہت پسند ہے۔ میں سمجھ گیا۔ اور یہ نام تجویز ہوا ملک وال تشریف لائے تو

میرے غریب خانہ پر بھی تشریف لائے اور میری بیٹی کو پیار دیا اور بہت دعائیں دیں میں نے باہر کا وعدہ یاد دلایا تو فرمایا اب ایک بیٹا ہو گا پھر سوچیں گے۔ اللہ تعالی نے بیٹا عطا فرمایا تو میں خاص طور پر بھیرہ حاضر ہوا۔ اور خوشخبری سنائی تو بہت خوش ہوئے اور نام کا ذکر ہوا تو فرمایا کہ مجھے تو "محمد سلیمان" بہت پسند ہے کیونکہ یہ نام بڑا بابرکت ہے کہ میرے دادا مرشد کا نام حضرت شاہ سلیمان تونسوی رحمتہ اللہ علیہ تھا سو آپ کی پسند پر میرے بڑے بیٹے کا نام رکھا گیا۔

پھر حاضر ہوا وعدہ یاد دلایا تو ہنس کر فرمایا کہ ایک بیٹا اور ہو گا پھر سوچیں گے۔ اللہ تعالی نے کرم فرمایا مجھے بیٹا عطا فرمایا جس کا نام محمد حسان احمد رکھا گیا آپ نے وعدہ کے مطابق مجھے امریکہ اپنے ساتھ لے جانے کا عندیہ دیا جبکہ گھر والے اور اساتذہ کرام اس پر رضامند نہ تھے۔ اتفاقاً" قبلہ پیر صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور صاحبزادہ محمد امین الحسنات شاہ صاحب کا ویزہ لگ گیا اور میرا ویزہ رجیکٹ کر دیا گیا۔

اس طرح میں امریکہ تو نہ جا سکا لیکن لاہور پہنچ گیا اور چونکہ قبلہ پیر صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے میرا رشتہ لیتے وقت حضرت قبلہ حکیم برکات احمد بگوی رحمتہ اللہ علیہ سے فرمایا تھا کہ میں اپنے بیٹے (خان محمد قادری) کو لاہور سیٹل کروں گا۔

جو تم نے کہا وہی تقدیر کا لکھا نکلا
لگتا ہے کہ تم کاتب تقدیر بھی ہو

یہ تو ان کا کرم ہے ورنہ

میں جب بھی حاضر ہوتا بار بار کھانے کا پوچھتے لنگر شریف سے سپیشل چائے منگوا کر پلاتے میری شادی کے بعد آپ کے کرم میں اور ہی اضافہ ہو گیا میں جب بھی حاضر ہوتا مجھے اپنے قریب جگہ عطا فرماتے آپ چارپائی پہ تشریف فرما ہوتے تو مجھے یا تو چارپائی پر بٹھاتے یا کرسی منگوا کر بٹھاتے یہاں تک جب آپ پر کچھ استغراق کی حالت طاری تھی اور اس وقت بھی آپ کی ذرہ نوازی کا وہی عالم تھا۔

جنہیں ہم دیکھ کر جیتے تھے ناصر
وہ شکلیں آنکھوں سے اوجھل ہو گئی ہیں

وعدہ وفائی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

ان العہد کان مسؤلا ○ "یعنی وعدہ خلافی کا بھی حساب لیا جائے گا۔

ہماری قدریں اس قدر بدل گئی ہیں کہ وعدہ خلافی کو تو جرم سمجھا ہی نہیں جاتا بلکہ سیاست اور تدبر سمجھا جاتا ہے۔

پہلے ہوتی تھی خوئے وفا پروری
اب تو ساغر یہ قفیہ پرانا ہوا

اس گئے گزرے دور میں حضرت ضیاء الامت اسلام کی روشن روشن زریں روایات کے امین تھے ایک مرتبہ گوالمنڈی (لاہور) آنے کا وعدہ فرمایا بوجوہ راستے میں لیٹ ہو گئے دوست ناامید ہو گئے تو اچانک آپ تشریف لے آئے سب کے چہرے خوشی سے دمک اٹھے کیونکہ اچانک آمد ایسے ہوئی جیسے۔

چپکے سے ویرانے میں بہار آ جائے

آپ نے دوستوں سے مایوسی کا سنا تو فرمایا:

"فقیر سے دیر سویر تو ہو سکتی ہے وعدہ خلافی نہیں ہو سکتی"

اب ڈھونڈ انہیں چراغ رخ زیبا لے کر

جس نے سبق یاد کیا اس کو چھٹی نہ ملی

وطن عزیز پاکستان میں تعطیلات (چھٹیاں) اتنی زیادہ ہوتی ہیں کہ پوری قوم معطل معلوم ہوتی ہے خصوصاً" محکمہ تعلیم جہاں سال میں بمشکل چار مہینے پڑھائی ہوتی ہے اور وہ بھی ایسی کہ "سکول حاضر اساتذہ غائب" اکثر دینی مدارس بھی اسی رنگ میں رنگے گئے ہیں دینی تعلیم دینے والے اکثر اساتذہ بھی چھٹیوں کا اشتیاق کی حد تک انتظار فرماتے ہیں مگر حضور ضیاء الامت کی بھرپور زندگی کے قربان جایئے کہ آپ کی ڈائری میں چھٹی نام کا کوئی لفظ نہیں تھا۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

"میری زندگی میں چھٹی کا کوئی تصور نہیں"

مکتب عشق کے انداز نرالے دیکھے
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

ایک زمانہ تھا کہ شاگرد' مرید اور اولاد ماں باپ' پیرومرشد اور استاد کی سالہا سال خدمت کرتے تھے اور اسے سعادت دارین تصور کرتے تھے۔ اور دونوں جہاں میں سرفراز ہوتے تھے اور اسی خدمت و نیاز مندی سے مرتبہ ولایت تک پہنچ جاتے تھے جذبہ خدمت میں تو اب بھی وہی تاثیر ہے۔ جو پہلی تھی۔

قبلہ پیر صاحب کے ایک خلیفہ صاحب حضرت صاحب کی خدمت میں مسلسل حاضر رہنے کی وجہ سے تعلیم پر پوری توجہ نہیں دے سکتے تھے۔ آپ نے انہیں افسردہ دیکھا تو فرمایا۔

"استاد' پیر اور ماں باپ کی خدمت کا دکھاوے کے باوجود بھی اجر ملے گا"

یعنی یہ کام اس قدر مہتم بالشان ہے کہ ریاکاری کے باوجود بھی اس کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔

باہمی انتشار و افتراق کو زوال کا سبب گردانتے تھے

جب تفسیر ضیاء القرآن منظر عام پر آئی تو علمی دنیا میں تہلکہ مچ گیا "من صنف فقد استہدف" کے مصداق اس تفسیر سے بھی اختلاف فطری امر تھا اکثر ارباب علم و ہنر نے خراج تحسین پیش کیا تو چند ایک نے اختلاف کی. بجائے مخالفت کی روش اختیار فرمائی اور اپنے جرائد میں نامناسب تبصرے سے بھی گریز نہ فرمایا۔

جواب آں غزل کے طور پر حضرت قبلہ پیر صاحب نہ سہی آپ کے ارادت مند یا شاگرد بھی ویسے ہی رد عمل کا اظہار کر سکتے تھے لیکن مخالفت برائے مخالفت حضرت قبلہ پیر صاحب کی پالیسی کبھی نہ رہی تھی۔ اور آپ اخباری بیان بیازی سے بھی گریزاں رہتے تھے اور زندگی بھر اختلاف کو مخالفت نہیں بننے دیا۔ اگر کسی سے اختلاف بھی کیا تو حسن کے ساتھ اور باہمی محبت و مروت کے صافی چشمے کو گدلا نہیں ہونے دیا اس لئے آپ نے مولانا ابوداؤد محمد صادق صاحب مدظلہ العالی کے تبصرہ کے جواب میں ایک

تفصیلی خط لکھا اور بذریعہ ڈاک بھیجنے کی بجائے اپنے معتمد شاگرد علامہ محمد انور حبیب صاحب کو یہ خط دے کر روانہ فرمایا۔

اس خط کا اختتامی مفہوم کچھ اس طرح سے تھا کہ "آپ جیسے بزرگوں سے تو ہمیں اصلاح اور خیر کی توقع تھی اگر آپ بھی بیگانوں کی طرح تیرو نشتر سے لیس ہو کر مقابل آگئے ہیں تو

سر دوستاں سلامت کہ تو تیغ آزمائی

حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ نے تو مقصد واضح کرنے کے لئے شعر کا ایک حصہ لکھ دیا میں پورا کر دیتا ہوں۔ تاکہ ہمیں سمجھنے میں آسانی رہے۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو تیغ آزمائی

اور اس فارسی شعر کا ترجمہ اردو شعر میں کچھ اس طرح سے بنتا ہے۔

میرے ہوتے ہوئے کوئی شریک امتحاں کیوں ہوں؟
تیرا درد محبت بھی نصیب دشمناں کیوں ہو

اس واقعہ سے آپ کو حضرت ضیاء الامت کے اخلاق عالیہ اور مزاج سمجھنے میں کافی مدد ملے گی۔

فہم و فراست

جامعہ رحمانیہ ہری پور ہزارہ (صوبہ سرحد) کا سالانہ جلسہ تھا اور سٹیج پر دیگر علماء و مشائخ کے علاوہ حضرت غزالی دوراں علامہ سید احمد شاہ صاحب کاظمی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ ساتھ ساتھ تشریف فرما تھے کسی آدمی نے ان دونوں بزرگوں کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا کہ کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین مبارک کے نقش پر کلمہ طیبہ لکھنا جائز ہے یا نہیں؟ دونوں بزرگ ایک دوسرے کے احترام میں خاموش بیٹھے رہے یہاں تک کہ حضرت کاظمی شاہ رحمتہ اللہ علیہ نے اصرار کے ساتھ یہ مسئلہ قبلہ پیر صاحب کے سامنے پیش کر دیا۔

قبلہ پیر صاحب نے علماء کرام کی جانب متوجہ ہو کر سوال فرمایا کہ کیا اگر بعینہ حضور کی نعلین مبارک موجود ہو تو اس پر کلمہ طیبہ یا اللہ تعالیٰ کا نام لکھا جا سکتا ہے یا نہیں سب نے بیک آواز کہا کہ نہیں تو آپ نے فرمایا جب اصل نعلین پر لکھنا جائز نہیں ہے تو اس کے نقش پہ لکھنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

حضرت قبلہ کاظمی شاہ رحمتہ اللہ علیہ صاحب نے اس جواب کو نہایت ہی پسند فرمایا اور آفرین کہا۔

حضرات! کتنا خوبصورت اور سوہانا تھا وہ دور جس دور میں دھرتی کے سینے پر یہ حسین اور مہ جبین لوگ جلوہ گر تھے جہاں ان پر نور چہروں کا اجتماع ہوتا ہو گا اللہ کی رحمتیں جھوم جھوم کر برستی ہوں گی۔

جب بھی آپ مسکراتے ہوں گے
نور ہی نور برستا ہو گا

نماز کے مقرر کردہ اوقات پر تاخیر سے آنے کی وجہ؟

حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ مسجد میں نماز باجماعت کا خصوصیت کے ساتھ اہتمام فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ جب علالت کی وجہ سے چلنے میں تکلیف محسوس فرماتے تھے تو آپ اپنے کمرے یا گھر میں نماز پڑھنے کی بجائے دو آدمیوں کے سہارے مسجد شریف میں جا کر نماز باجماعت ادا فرماتے تھے۔ مگر بسا اوقات مقررہ وقت سے پانچ دس منٹ تاخیر سے تشریف لاتے

احباب نے تاخیر کی وجہ پوچھی تو پہلے تو تواضع و انکساری کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کہ آپ اسے میری سستی پہ محمول فرما سکتے ہیں مزید برآں میری تاخیر کی وجہ یہ بھی ہے کہ موجودہ دور میں جس طرح اوقات کا تعین کیا جاتا ہے (یعنی ظہر ٹھیک 2 بجے یا فجر ٹھیک 5 بجے وغیرہ) قرون اولیٰ میں اس طرح کے تعین کی مثال نہیں ملتی۔۔ اور ایک وجہ اور بھی ہے کہ میرے تاخیر سے آنے کی وجہ سے کئی میرے جیسے کمزور اور بوڑھے لوگوں کو نماز باجماعت نصیب ہو جاتی ہے۔

برادران اسلام! اس مثال سے آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت ضیاء الامت کو

اسلام کے درخشاں ماضی سے کس قدر پیار تھا۔ موجودہ ہیئت سے اوقات کے تعین کو جائز سمجھتے ہوئے بھی قرون اولی کی روایات سے استفادہ کو باعث سعادت و ثواب سمجھتے تھے اور اقتدائے رفتگاں کو محفوظ تر گردانتے تھے حضرت علامہ اقبال کی فکر بھی یہی تھی۔

زاقتدائے عالمان کم نظر
اقتدائے رفتگان محفوظ تر

اکمل مرشد اور کامل مرید

کسی بزرگ نے کہا تھا کاش کوئی ایسا مرید ملے جس کی چمڑی اتار کر اس میں بھس بھر کر دھوپ میں لٹکا دوں اور لوگوں کو بتاؤں اسے پیری مریدی کہتے ہیں (سبع سنابل)

دور حاضر میں پیری مریدی دیگر رسوم دنیاوی کی طرح محض ایک بے جان رسم بن کر رہ گئی ہے۔ پیر آداب راہبری سے بے خبر ہے تو مرید طریق مریدی سے بیگانہ دونوں پانی سے مکھن نکالنا چاہتے ہیں۔

کتنا حسین وقت تھا کہ حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمرالدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ جیسا فرد فرید مسند ارشاد پہ جلوہ گر علم و عرفان کے موتی لٹا رہا تھا اور سراپا تسلیم و رضا حضرت پیر کرم شاہ بھیروی جیسا مرید باصفا شمس و قمر کی روشن دنیا سے ضیائیں لوٹ رہا تھا۔ پیر اور مرید کی باہمی محبت و الفت کو دیکھ کر خواجہ غریب نواز سلطان الہند حضرت معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اور خواجہ قطب الدین بختیار رحمتہ اللہ علیہ کا باہمی تعلق خاطر یاد آتا تھا۔

یا ایسا لگتا تھا جیسے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی اور راز دار نظام حضرت امیر خسرو کا زمانہ دوبارہ پلٹ آیا ہے۔

یہ دونوں بلند بخت پیر اور مرید نظام خانقاہی کی آبرو اور دنیائے تصوف کی حسین یاد گار تھے۔ ان کے جانے کے بعد عشق و محبت کی دنیا ہی لٹ گئی ہے شوق خالی ہاتھ رہ گیا ہے۔

نہ وہ یاد کر بہاریں دل غم نصیب مت رو
ہے تجھے تلاش جس کی وہ گزر گیا زمانہ

حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمتہ اور حضرت پیر کرم شاہ رحمتہ اللہ علیہ کا رشتہ محبت ہمارے پیمانوں سے وراء الوراء تھا بھٹو دور میں جب تحریک نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلی تو دیگر اکابرین کی طرح حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ بھی حق گوئی کے جرم میں پس دیوار زنداں کر دیئے گئے۔

رہائی کے بعد اپنے مرشد کے آستانے پر حاضری دی تو حضرت شیخ الاسلام نے فلک پیا ہمتوں کے مالک مرید صادق کی یوں حوصلہ افزائی فرمائی کہ۔

"چلو شاہ جی اب تو آپ سنت یوسفی بھی ادا کر آئے۔

پیر سیال کے روضے کا مینار

ایک مرتبہ حضرت شیخ الاسلام نے سیال شریف میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"پیر محمد کرم شاہ میری آنکھوں کا نور ہے بلکہ پیر سیال کے روضے کا مینار ہے۔"

سچ یہ ہے کہ حضرت ضیاء الامت علیہ الرحمتہ کو زندگی بھر حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کے مشیر خاص کی حیثیت حاصل رہی اور آپ تادم زیست اپنے مرشد کی آنکھ کا تارا بنے رہے آنے والوں کے لئے آپ کا رشتہ ارادت قابل تقلید مثال رہے گا۔

بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت

حضرت علامہ مولانا میاں افتخار صاحب بیان کرتے ہیں کہ بارہ ربیع الاول شریف کی صبح تھی (یعنی سحری کا وقت تھا) مسجد حضرت امیر السالکین کے پہلو میں مجلس گاہ میں محفل میلاد شریف جاری تھی۔ اور نعت خواں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی کا نعتیہ کلام۔

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہ دوسرا جانا
لک بدر فی الوجہ الاجمل خط ہالہ مہ زلف ابر اجل
تورے چندن چندر پرو کنڈل رحمت کی برن برسا جانا

پڑھ رہا تھا۔

حضرت ضیاء الامت زارو قطار رو رہے تھے۔ اچانک آپ نے تین مرتبہ زمین کو چوما اور درود و سلام پڑھتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ کوئی آدمی وجہ نہ پوچھ سکا۔ عرصہ دراز کے بعد حضرت صاحب اور میں بذریعہ ویگن جہلم سے چکوال جا رہے تھے ہمیں آخری سیٹ پہ جگہ ملی۔ میں نے موقع غنیمت جانا اور عرض کیا حضور اگر اجازت ہو تو ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں فرمایا پوچھو! میں نے بارہ ربیع الاول کی حسین صبح والا واقعہ چھیڑ دیا کہ آپ نے زمین پہ بوسے کیوں دیئے تھے؟ کیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی تھی؟

میرا سوال مکمل نہیں ہوا تھا کہ آپ کی پلکیں بھیگ گئیں۔ اور زاروقطار رونے لگے۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی کہ مجھ سے غلطی ہو گئی آپ نے بھرائی آواز میں فرمایا افتخار! تو نے میرے بھرے ہوئے زخم ہرے کر دیئے ہیں۔ مجھ سے ایسے سوال نہ پوچھا کر۔

وہ آنکھوں میں آئے وہ دل میں ٹھہرے
رقیبوں کو کیسے خبر ہو گئی

کوئی اور ہوتا تو چھپانے کی بجائے چھاپتا۔ اپنی کرامتوں کے چرچے کراتا ویڈیو اور آڈیو کیسٹیں تیار ہوتے مقبولیت کے ڈھنڈورے پیٹے جاتے۔

سچ ہے جو دیکھتے ہیں وہ چھپاتے ہیں اور جنہیں نظر کچھ نہیں آتا وہ دعوی کرتے ہیں اور اپنے مشاہدے کا گلی گلی شور کرتے پھرتے ہیں جنہیں دولت دیدار نصیب ہوتی ہے ان کے ہونٹوں پہ خاموشی کی مہر لگ جاتی ہے اسی حقیقت کو بلبل شیراز حضرت شیخ سعدی یوں بیان فرماتے ہیں۔

ایں مدعیاں در طلبش بے خبر انند
کاں راکہ خبر شد خبرش باز نیامد
اے مرغ سحر عشق زپروانہ بیاموز
کاں سوختہ راجاں شد آواز نیامد

اور روہی کی ریت میں درد کی بھٹیاں سلگا دینے والے صوفی بزرگ حضرت خواجہ غلام فرید رحمتہ اللہ علیہ بھی انہیں خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

تونڑے جو دریا نوش ہن ۔ پرجوش تھی خاموش ہن
اسرار دے سرپوش ہن صامت رہن مارن نہ بک
آہن قلندر روز و شب
پہنچی خودی میں خود غرق

پیر ہو تو ایسا

قاری نور محمد صاحب (اسلام آباد) فرماتے ہیں کہ میں نے دل میں ٹھانی تھی کہ میں اس بزرگ سے بیعت کروں گا جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اشارہ ملے گا۔ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ پاک حاضر ہوا۔ کثرت سے درود شریف پڑھتا رہا۔ مسلسل دو دن حاضری دیتا رہا اور یہی عرض کرتا رہا کہ "کریم آقا! میری راہنمائی فرمائیں میں کس راہبر کے ہاتھ میں ہاتھ دوں میں سویا تو میرا بخت بیدار ہو گیا میں نے دیکھا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب کے کاندھوں پر رکھا ہوا ہے اور فرما رہے ہیں - پیر محمد کرم شاہ پیر محمد کرم شاہ پیر محمد کرم شاہ۔

1995ء میں حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ اسلام آباد کمپلیکس میں زیر علاج تھے قاری صاحب حاضر ہوئے اور یہ خواب سنا کر بیعت کرنے کی استدعا کی پیر صاحب خواب سن کر بہت روئے مگر قاری صاحب کو کوئی جواب نہ دیا قاری صاحب گھر چلے گئے آپ جب ہسپتال سے فراغت کے بعد دارالعلوم محمدیہ غوثیہ اسلام آباد پہنچے تو فرمایا مجھے قاری نور محمد صاحب کے گھر لے چلو آپ قاری صاحب کے گھر پہنچے تو قاری صاحب بہت حیران ہوئے - عرض کیا کہ سرکار! خیریت ہے فرمایا میں تمہیں بیعت کرنے آیا ہوں۔ قاری صاحب نے عرض کیا جناب! ہسپتال میں کیا امر مانع تھا۔ فرمایا آپ کو جس ذات نے بھیجا تھا اس کا تقاضا تھا کہ آپ کے گھر آکر آپ کو بیعت کیا جائے۔ سچ کہا کسی نے۔

جسے چاہا در پہ بلا لیا
جسے چاہا اپنا بنا لیا
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے
یہ بڑے نصیب کی بات ہے

دو دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں

بھوک اور افلاس انسان سے جینے کا حوصلہ چھین لیتی ہے غربت اور تنگدستی آدمی کو کفر کی دہلیز تک پہنچا دیتی ہے شاید اسی لئے اقبال نے افلاس کو
"ام الخبائث" تمام برائیوں کی جڑ قرار دیا تھا۔ دھوپ اور چھاؤں کی طرح انسان کی معاشی حالت بھی بدلتی رہتی ہے قدرت شاہوں کو گدا اور گداؤں کو شاہ بنا دیتی ہے۔
اللہ تعالیٰ جب انسان کو طرح طرح کی نعمتوں سے شادکام کرتا ہے تو انسان کہتا ہے کہ رب نے مجھ پر بڑا کرم کیا ہے۔
اور جب اللہ تعالیٰ اسے آزمائش میں مبتلا کرتا ہے اور رزق میں کمی کرتا ہے تو انسان بے صبری سے اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات کے بارے میں اتہام طرازی پر اتر آتا ہے اور کہتا ہے کہ خدا نے مجھے ذلیل کر دیا اور جب تنگدستی کی ذلت میں گھر جاتا ہے تو رزم گاہ حیات میں مقابلہ کرنے کی بجائے زندگی سے راہ فرار اختیار کر لیتا ہے ایسے میں کسی کامل ہادی کی ضرورت ہوتی ہے جو زندگی کی بجھتی ہوئی شمع کو روشن رکھنے میں اپنا جاندار کردار ادا کرے۔
آصف مرزا صاحب (اسلام آباد) بہت اچھی صفات کے حامل نوجوان ہیں حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ سے عشق کی حد تک لگاؤ رکھتے ہیں اور ان کے مشن سے بھی ویسے ہی پیار کرتے ہیں دارالعلوم محمدیہ غوثیہ چک شہزاد اسلام آباد کی تعمیر و ترقی میں بھی زیادہ تر انہیں کا ہاتھ ہے۔
پہلے پہل ان کے معاشی حالات بہت اچھے تھے درمیان میں ایک ایسا موڑ آیا کہ دولت کی دیوی ان سے روٹھ گئی ان کے لئے کاروباری دنیا ریگستانی میدان بن گئی آگے بڑھنے والا ہر قدم پیچھے کو کھسکتا گیا یہاں تک کہ خوشیوں کے دروازے بند ہو گئے اور

مایوسیوں کے مہیب سائے گہرے ہو گئے۔

ہم ہار چکے لٹ بھی چکے
اور زندگی وہی انداز پرانے مانگے

مرزا صاحب "تنگ آمد بجنگ آمد" مگر یہ جنگ بھی "قہر درویش برجان درویش" کی طرح اپنی ذات کے خلاف شروع کر دی یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں سے زندگی کا چراغ گل کرنے کا فیصلہ کر لیا کہ

ایسے جینے سے مجھے موت ہے درکار فرید
کر کے تنہا مجھے دلدار چلا جاتا ہے

رات کے اندھیرے جب گہرے ہو گئے ہر کوئی نیند کی آغوش میں سو گیا۔ نگار معیشت سے بچھڑے ہوئے اس انسان نے اپنے ہاتھوں اپنی موت کا سامان کیا پستول لوڈ کیا اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر جا بیٹھے پستول کنپٹی پر رکھا اور اپنی شہادت کی انگلی لبلبی پر رکھی یہاں تک کہ موت سامنے رقص کناں ہو گئی اچانک دیکھا کہ حضرت ضیاء الامت سامنے آ گئے اور موت حیات میں بدل گئی ان کو دیکھا تو موت ہار گئی زندگی جیت گئی

بہ لبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم
پس ازاں کہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد

یا

ان کی محفل میں بیٹھ کر دیکھو
زندگی کتنی خوبصورت ہے

پیر سیال رحمتہ اللہ علیہ اور موت کا زوال

اسی سے ملتا جلتا وقوعہ حضرت پیر سیال کے ایک عبادت گزار اور شب زندہ دار مرید کے ساتھ بھی پیش آیا۔

حضور ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ بیان فرماتے تھے کہ ضلع مظفر گڑھ کے علاقہ میں حضرت خواجہ مولانا شمس الدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک نیک سیرت مرید تھا۔

ہمہ وقت عبادت و ریاضت میں مصروف رہتا شیطانی وسوسوں سے وہ بھٹک گیا پہلے اسے خواب آنے لگے کہ تم عبادت و ریاضت کے ذریعے ہمارے مقرب ہو چکے ہو۔ پھر خواب آنے لگے کہ اب تم حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مقام تک پہنچ چکے ہو۔ اب تمہیں مکہ جانے کی ضرورت نہیں۔ اپنا کعبہ یہیں بنا لو اور اس کا طواف شروع کر دو اس نے ایسے ہی کیا اب پھر خواب شروع ہو گیا کہ تم اب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مقام تک بھی پہنچ گئے ہو اب تم بھی اپنے آپ کو ذبح کر دو تاکہ اسماعیلی قربانی کی تکمیل ہو جائے۔

ان صاحب نے تیز چھری خریدی ایک رات اپنے خود ساختہ کعبہ میں جا بیٹھے۔ اور چھری آہستہ آہستہ اپنی گردن کے قریب کر دی قریب تھا کہ تیز چھری گردن پر پھر جاتی اور وہ صاحب حرام موت مر کر جہنم کا ایندھن بن جاتے۔ بس چھری ہلکی سی پھری ہلکا سا چمڑا کٹا کہ اچانک کسی نے اس زور سے تھپڑ رسید کیا کہ چھری دور جا گری۔ ہوش آیا تو دیکھا کہ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی سامنے کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ ہمارے ہاتھ میں ہاتھ دے کر حرام موت مر رہے ہو!

مرداں چنیں کنند

مرد ملے تے درد نہ چھوڑے اوگن دے گن کروا
کامل لوگ محمد بخشا لعل بنان پتھر دا

(نوٹ) ہمارے دور میں کچھ حضرات کو خوابوں نے بہت ذلیل و رسوا کیا ہے اس لئے خوابوں کی بجائے بیدار رہنا چاہئے۔

جانے کہاں کہاں قدم رکھے میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

خلیفہ بشیر صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ زیادہ علیل ہو گئے تو اوپر حجرے میں آنا جانا مشکل ہو گیا اس لئے فیصلہ کیا گیا کہ آپ دارالعلوم کے گراؤنڈ فلور پر حضرت صاحبزادہ محمد امین الحسنات شاہ صاحب کے کمرے میں تشریف لے آئیں۔ احباب کے اصرار پر آپ نیچے تشریف تو لے آئے مگر بے چینی مزید بڑھ گئی۔

اٹھ کر تیری محفل سے آ تو گئے ہم
مگر یہ مت پوچھ کیسے آئے ہیں

دو دن تڑپ تڑپ کر گزارے گریہ زاری میں مسلسل اضافہ ہوتا گیا ساتھیوں نے ہاتھ جوڑے معذرت کی گریہ زاری کا سبب پوچھا آپ نے فرمایا مجھے میرے حجرے میں واپس لے چلو۔۔ میرا چین میرا قرار وہیں ہے۔ میری کل کائنات وہیں ہے یہی حجرہ تو ہے جس میں مجھے میرے کریم آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کئی بار دیدار نصیب ہوا ہے۔ اب یہ باقی ماندہ ایام مجھے وہیں بسر کرنے دو۔

وہ اک بار ادھر سے گزر گئے مگر اب تک
ہوائے رحمت پروردگار آتی ہے

بار دگر کریم آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کرم

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف (اولڈ کیمپس) کی پیشانی پر جو عمارت ہے اسے لائبریری کہتے ہیں اس لائبریری میں حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ نے تصنیف و تالیف اور مطالعہ کے لئے ایک چھوٹا سا کیبن بنوایا تھا جو اب تک موجود ہے۔ خلیفہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ

ایک بار حضرت صاحب سے عرض کیا گیا کہ اب لائبریری کے وسیع ہال میں اس کیبن کی ضرورت نہیں رہی لہٰذا اجازت ہو تو اسے ختم کر دیا جائے اس طرح لائبریری وسیع ہو جائے گی اور اس کے ہال کے حسن میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔

یہ سنتے ہی آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور آپ بلک بلک کر رونے لگے فرمایا میرے ہوتے ہوئے اس کیبن کو نہ توڑنا یہ وہ جگہ ہے جہاں قرآن کریم کی تفسیر لکھتے وقت اگر کوئی شدید الجھن پیش آتی تھی تو کئی بار مجھ مسکین پر کرم فرماتے ہوئے میری راہنمائی اور راہبری کے لئے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری ہوتی رہی ہے۔

اس صورت نوں میں جان آکھاں جانان کہ جان جہان آکھاں
سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں جس شان توں شانان سب بنیاں

مسجد نصیب دریائی میں شہریار خوباں
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت

یہ واقعہ زبان زد خاص و عام ہے کہ حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ کو بوقت تہجد مسجد نصیب دریائی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تھا۔

غالبا" اس واقعہ کو استاد ایم حافظ احمد بخش صاحب نے قبلہ پیر صاحب کی مختصر سوانح میں لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا مگر آپ نے سختی سے منع فرما دیا تھا۔

میں نے "مسجد نصیب دریائی" کے امام اور قبلہ حضرت صاحب کے دیرینہ رفیق حاجی صاحب سے استفسار کیا کہ وہ مجھے اس جگہ کی بھی نشاندہی فرمائیں۔ اور اس واقعہ کی تفصیل بھی بتائیں۔

حاجی صاحب نے بتایا کہ بقول حضرت صاحب صبح نماز تہجد کے لئے میں مسجد شریف میں حاضر ہوا تو مسجد کے برآمدے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھڑے پایا۔ میں فورا" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں پر جھک گیا۔ بوسے دیئے اسی کیفیت میں کافی دیر بیت گئی۔

بعض احباب نے حضرت ضیاء الامت کو ان جگہوں کو چومتے بھی دیکھا ہے۔

جہاں جہاں سے وہ گزرے جہاں جہاں ٹھہرے
وہی مقام محبت کی جلوہ گاہ ہے

بار دگر اسی مسجد میں جلوہ والضحی

مسجد نصیب دریائی کا دروازہ اور قبلہ پیر صاحب کے گھر (لنگر شریف) کا دروازہ بالکل آمنے سامنے ہے ویسے تو ہر مسجد قابل احترام ہے۔ خانہ خدا ہے لیکن اس مسجد کو یہ دوہرا شرف حاصل ہے کہ حضور علیہ السلام کو حضرت قبلہ پیر صاحب نے قریبا" مسجد کے دائیں کونے میں نماز ادا کرتے بھی دیکھا تھا۔

قبلہ پیر صاحب کا سینہ سمندر کی طرح گہرا تھا او، اس میں پہاڑوں جیسا سکوت و

ثابت تھا۔ وہ اسرار و رموز کے امین تھے وہ ایسے قیمتی راز ہر کہ ومہ کے سامنے فاش نہیں کرتے تھے۔ اور نہ ہی ایسی باتوں کی نمائش کے قائل تھے اسی لئے آپ نے مسجد نصیب دریائی میں ان جگہوں کو پردہ خفا میں رہنے دیا تاکہ اس جگہ کی نمائش شروع نہ ہو جائے عبادت گاہ کی بجائے محض زیارت گاہ نہ بن جائے۔

ورنہ آج لاہور جیسے متمدن اور تعلیم کے مرکز شہر میں بعض کمرشل ذہن کے زاہدوں نے بورڈ نصب کر رکھے ہیں کہ فلاں مسجد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا گیا ہے مثلاً" کرشن نگر میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے بھائی ڈاکٹر اظہار صاحب وغیرہ نے اپنی مسجد کے دروازے پر بورڈ نصب کرا رکھا ہے کہ اس مسجد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا گیا ہے اگر واقعی یہ بات درست ہے تو چشم ماروشن دل ماشاد

ہم غلامان محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو حضور کی حیات و تصرفات کے قائل ہیں اور علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں چاہیں اور جب چاہیں تشریف لاتے ہیں اور اپنے غلاموں کو نوازتے ہیں۔

اور نوازتے رہتے ہیں۔ حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال تو آمدورفت کی بجائے ہمہ وقت ہمہ جا حاضر و موجود کے قائل ہیں فرماتے ہیں۔

ہر کجا ہنگامہ عالم بود

رحمتہ اللعالمین ہم بود (اقبال)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے بے شمار خوش بختوں کو خواب یا بیداری میں اپنی دید سراپا عید سے نوازا ہے۔ مگر یہاں سوال پاکستان کی ملت وہابیہ کے عناصر اربعہ (دیوبندی، وہابی اہلحدیث، جماعت اسلامی، تنظیم اسلامی) کے مرکب کی طرف سے نمائشی بورڈ کا ہے کہ ان میں ایک عنصر تو حضور علیہ السلام کی حیات کا ہی قائل نہیں اور ایک حیات کا تو قائل ہے مگر تشریف آوری کا قائل نہیں یعنی حیات کا قائل ہے۔ مگر تصرفات کا قائل نہیں۔

گویا یہ نمائشی بورڈ اس معجون مرکب کا اپنے ہاتھوں اپنے عقیدے کا خون اور صریح قتل ہے۔

مگر ایک بات تو طے ہے کہ اگر اس قسم کا نمائشی بورڈ کسی سنی مسلمان نے آویزاں کیا ہوتا تو وہ ان حضرات کے نزدیک کب کا بدعتی' کافر' مشرک اور قابل گردن زدنی قرار دیا جا چکا ہوتا۔ مگر یہاں تو مسئلہ اپنی جماعت کی رونق بڑھانے کا ہے اس لئے سب جائز ہے۔

اللہ رے خود ساختہ قانوں کے نیرنگ
جو بات کہیں حق' وہی بات کہیں ننگ

بعض لوگ قطرہ پی کر بھی بہک جاتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہوئے ہیں کہ سمندر پی کر بھی تشنہ لب دکھائی دیتے ہیں۔

حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ کو قدرت نے بلا کا حوصلہ اور صبرو ثبات عطا کیا تھا۔ آپ کے اندر بھٹیاں سلگتی رہتی تھیں۔ اور اندر ہی درد و سوز کے طوفان اٹھتے رہتے تھے۔ بس پلکوں کی جھالر بھیگی رہتی اور آنکھوں سے ساون برستا رہتا تھا مگر مجال ہے کہ کبھی زبان حرکت میں آئی ہو اور ہاتھ یا پاؤں میں جنبش ہوتی ہو۔

خود نمائی نہیں شیوہ ارباب وفا
جن کو مرنا ہو آرام سے مر جاتے ہیں

حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے فاضل علامہ احسان الحق صدیقی صاحب بتاتے ہیں کہ ہمیں مسجد امیر السالکین میں دوران سبق حضرت شیخ الحدیث والفقہ علامہ قاضی محمد ایوب صاحب مفتی دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف نے بتایا کہ ایک مرتبہ سحری کے وقت میں گھر سے حضرت ضیاء الامت کی زیارت کے لئے حاضر ہو رہا تھا کہ راستے میں آپ ایک بزرگ کے ساتھ جاتے دکھائی دیئے اس بزرگ نے سفید لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ حضرت قبلہ پیر صاحب اس بزرگ کو خدا حافظ کہہ کر واپس مڑے تو میں نے سلام عرض کیا معا" آپ نے مجھے فرمایا کہ حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھنا چاہو تو وہ تشریف لئے جا رہے ہیں۔

میں نے پلٹ کر دیکھا تو مجھے ان کی پشت نظر آئی اس کے بعد وہ میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے استاد قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز کے بعد میں نے حضرت صاحب سے دوبارہ تصدیق کرنی چاہی تو آپ نے مجھے روک دیا۔ ساتھ ہی فرمایا کہ اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز کرم

دارالعلوم کے کچھ شاہین (فضلاء) بتاتے ہیں کہ دوران سبق ہم نے حضرت قبلہ پیر صاحب سے پوچھا کہ حضور! آپ کو کبھی حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ہے یہ سنتے ہی آپ کی آنکھیں بھیگ گئیں اور فرمایا ''اس عاجز سے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی ملے ہیں مسکراتے ملے ہیں۔

ان کے انداز کرم ان پہ وہ آنا دل کا
ہائے وہ وقت وہ باتیں وہ زمانہ دل کا
ان کی محفل میں نصیر ان کے تبسم کی قسم
ہم دیکھتے رہ گئے ہاتھ سے جانا دل کا (سید نصیر)

بزم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آواز

کل مورخہ 99-2-3 بروز منگل بھیرہ شریف حاضری ہوئی۔ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے اساتذہ کرام اور حضرت صاحب کے فیض یافتہ خدام سے بھی ملاقات کی حضرت صاحب کے دست مبارک سے لکھی ہوئی ایک تحریر ملی جو من وعن جیسے لکھی ہوئی ہے ویسے ہی پیش کر رہا ہوں۔

خواب: حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بزم قائم ہے یک لخت آواز آئی پیر محمد کرم شاہ صاحب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں سے ہیں اس لئے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس بھیرہ شریف تشریف لے گئے ہیں۔

سگ سگان در رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
عابد حسین ولد پیر محمد اشرف

یہ تو خواب دیکھنے والے نوجوانوں کی تحریر تھی اب حضرت صاحب کی کتاب کے

ورق سے من وعن آپ کے الفاظ نقل کر رہا ہوں۔ پوری توجہ اور غور سے پڑھیں۔

31-8-98 چھ بجکر پندرہ منٹ پر مکہ مکرمہ سے بذریعہ بس روانہ ہوا رات بارہ بج کر چند منٹ پر مدینہ طیبہ پہنچا۔ الحمد للہ رب العالمین بوقت سحر مسجد نبوی شریف میں حاضری نصیب ہوئی نماز صبح کے بعد اپنے آقا کے حضور سلام عرض کیا پھر نماز عصر قدمین شریفین میں ادا کی وہیں منزل پڑھی۔ وظائف ادا کیئے۔ مغرب کی نماز اور نوافل سے فارغ ہو کر قدمین مبارک میں ہی حاضر تھا قصہ ہجرو فراق عرض کر رہا تھا کہ ایک صالح صورت باریش نوجوان میرے قریب آ گئے میں انہیں پہلے نہیں جانتا تھا۔

دل فرقت زدہ کو اپنا یہ خواب سنایا بتایا کہ گزشتہ منگل کی رات کو وہ وضو کر کے سو گئے کیا دیکھتے ہیں مسجد نبوی کا صحن ہے محبوب رب العالمین تشریف فرما ہیں صحن حاضرین سے بھرا ہوا ہے ایک شخص نے بلند آواز سے یہ اعلان کیا یہ سن کر میری خوشی کی حد نہ رہی میں نے انہیں کہا کہ جو کچھ آپ نے دیکھا اور سنا مجھے یہاں اپنے قلم سے لکھ کر دیں۔

21 محرم الحرام 1409 سم ستمبر 1988ء جمعرات مغرب عشاء کی نمازوں کے درمیان بمقام قدمین شریفین۔ روضہ مقدسہ۔ مدینہ المنورہ سگ مدینہ محمد کرم شاہ

(نوٹ) حضرات! یہ تحریر حضرت صاحب کے مجموعہ وظائف کے ورق پہ تھی چونکہ جب یہ خواب بیان کیا گیا تھا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمین شریفین میں بیٹھے تھے آپ کے پاس کوئی اور کاغذ نہ تھا لہٰذا اپنے وظائف کے خالی صفحہ پر تحریر فرما دیا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قدم مبارک حضرت پیر محمد کرم شاہ رحمتہ اللہ علیہ کے سینے پر اور پشت پر

بابو غلام مرتضیٰ صاحب حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ کے خدام اور مریدوں میں سے ہیں انہیں قبلہ حضرت صاحب کا خاصا قرب حاصل رہا ہے۔ انہوں نے خود حضرت صاحب سے یہ مبارک خواب سنا اور اپنی ڈائری پر لکھ لیا۔ میں انہیں کی ڈائری سے یہ خواب نقل کر رہا ہوں آپ بھی پڑھئے اور فقیر نواز آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کرم نوازیوں کا اندازہ کیجئے کہ اپنے چاہنے والوں پر کس کس انداز سے کرم فرماتے ہیں

حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

"ایک بار پھر دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد (نصیب دریائی) کی سیڑھیوں سے نیچے اتر رہے ہیں۔ میں حاضر ہوا کہ حضور مہربانی فرما کر اپنا قدم مبارک میرے سینے پر رکھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا قدم مبارک میرے سینے پر سر پر اور پشت پر ٹکایا۔ یہ یاد نہیں رہا کہ پہلے قدم مبارک کس جگہ رکھا سر پر یا سینے پر بہت راحت و سرور نصیب ہوا۔ اسی کیف و سرور میں چند شعر موزوں ہوئے وہ میں نے "زبور عجم" کے پہلے کاغذ پر لکھے تھے لیکن وہ کتاب اب گم ہو گئی ہے ایک شعر یاد ہے اور وہ یہ ہے۔

نازم کہ پائے خویش بفرقم نہادہ ای

ہر پھول کی قسمت میں کہاں ناز عروساں

بابو غلام مرتضیٰ صاحب نے اپنی ڈائری میں ایک اور خوبصورت خواب حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی زبانی لکھا ہے بابو صاحب لکھتے ہیں

آج بروز بدھ 19 شعبان 1398 ہجری بوقت چاشت حضور قبلہ گاہی نے شرف زیارت بخشا۔ حضرت رات ہی سیال شریف اور پاکپتن شریف کے سفر سے واپس تشریف لائے تھے جب خلوت ہوئی تو عرض کیا کہ حضور! سفر کیلئے رہا مزاج عالی کیسا ہیں۔

فرمایا رات جان عالم آقائے دو جہاں راحت قلب حزیں کملی والی سرکار بیکس پناہ محبوب رب العالمین رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کرم فرمایا اور جمال جہاں آراء کی زیارت سے خواب میں مشرف فرمایا۔ پھر قبلہ پیر صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف فرما ہونے کی کیفیت بیان فرمائی پھر فرمایا میرے آقا نے دست بوسی کا شرف عطا فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھ بھی میری گناہ گار آنکھوں کے آنسوؤں آلودہ ہو گئے۔

اس کے بعد فرمایا کہ آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی زیارت تو کئی حضرات کی ہوتی ہے لیکن شرف قدم بوسی کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ الحمد للہ جب بھی آقا علیہ الصلوۃ والسلام کرم فرماتے ہیں قدم بوسی کی سعادت نصیب ہو ہی جاتی ہے۔

سانوں لکھ مبارک بادیاں

ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ آقا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم شب اسریٰ کے دولہا سج کے بیٹھے ہیں۔ اور میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بائیں جانب دست بستہ کھڑا ہوں اور درود شریف اللھم صل علی محمد وعلی و آلہ وبارک وسلم پڑھ رہا ہوں اور زیارت جمال مصطفوی سے قلب و روح منور و مخمور ہو رہے ہیں۔ اور مجھ پر وجدانی کیفیت طاری ہے۔ بندہ نواز آقا نے ایک نگاہ دلنواز ایک حسین تبسم کے ساتھ اپنے اس غلام پر فرمائی اس وقت جو کیفیت تھی وہ لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی۔

اس فقیر نے اپنا سر آقا کے قدموں پر رکھ دیا اور پھر آقا علیہ السلام کے پائے اقدس کے وہ مبارک تلوے جن کے بوسے لینے کا شرف عرش کو بھی بڑی تمناؤں کے بعد نصیب ہوا تھا اس نورانی تلوے کے نیچے اپنا ہاتھ رکھا اور پائے اقدس کے بوسے لینے شروع کر دیئے۔ اور زبان پر یہ پنجابی جملہ آگیا۔

سانوں لکھ مبارک بادیاں

آپ کو غوث کے مقام پر فائز کر دیا گیا ہے ایک خواب

جناب کرامت اللہ اپل (مرحوم) نے ایک خط میں لکھا تھا کہ

ایک رات درود پاک پڑھتے پڑھتے سو گیا۔

میں نے خواب دیکھا دربار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں حاضر ہوں زاروقطار رو رہا تھا۔ اچانک دیکھتا ہوں کہ قبلہ حضرت صاحب (پیر محمد کرم شاہ رحمتہ اللہ علیہ) مع ایک خادم کے مٹھائی تقسیم کر رہے ہیں۔ آپ نے نیلا تہبند اور سفید وائل کی قمیض پہن رکھی ہے۔ اعلان ہوتا ہے کہ آپ (پیر محمد کرم شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ) کو غوث کے رتبہ پر فائز کر دیا گیا ہے اتنے میں فجر کی اذان ہو گئی تو میں اٹھ گیا۔

میری آنکھوں میں اس وقت آنسو تھے اور آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

کرامت اللہ اپل جلال پور جٹاں

2-4-89